قال اللہ تعالیٰ

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ

ENTERED
22 JAN 2014

حق الیقین

TALIF-O-TASNIF LIBRARY
تالیف و تصنیف لائبریری قادیان
QADIAN

فی معنیٰ

خاتم النّبیّین

تالیف منیف مولانا مولوی حکیم عبید اللہ صاحب بسمل احمدی

باہتمام احقر الناس
مظہر اللہ
زیر ہند پریس امرتسر میں باہتمام بھائی بہادر سنگھ منیجر و پرنٹر چھپی

نذر

یہ خاکسار نہایت ادب و احترام کے ساتھ

اعلیٰ حضرت

امیر المؤمنین امام المسلمین خلیفة المسیح سیدنا فضل عمر ایدہ اللہ بنصرہٖ

کے حضور میں

اس حقیر ہدیہ کو

بغرض قبولیت پیش کرتا ہے ؎

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

احقر الخدم
عبید اللہ (بسل)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

الحمد للّٰہ رب العٰلمین علی السرّاء والضرّاء ونشکرہ علی الشدّة والرخاء وندفع بہ بوائق الزمان وطوارق الحدثان ونعوذ بہ من الاٰراء المختلفة والاھواء المتعادیة ونسالہ ان یجعل الحق دثارنا والصدق شعارنا والصلوٰة علیٰ محمدؐ سید المرسلین وخاتم النبیّین الذی لا سبیل الیٰ فیوض اللّٰہ من غیر توسطہ وعلی اٰلہ واصحابہ والسّلام علی المسیح الموعود المھدی المسعود الذی سماہ الرب جری اللّٰہ والرسول نبی اللّٰہ وعلیٰ اھل بیتہ الکرام وخلفائہ العظام **اما بعد** فی زماننا اس عالی پایہ اولوالعزم مرسل من اللّٰہ انسان مسیح موعودؑ کی بعثت اور منصب کی نسبت جس کی خبر احادیث صحیحہ میں طرق متعددہ کے ساتھ وارد ہے لوگوں میں متضاد اعتقاد پائے جاتے ہیں:۔

پہلے گروہ کا اعتقاد درباره مسیح موعودؑ | ایک خلیج الغدار گروہ جس کی نگاہ میں احادیث کی وقعت گو وہ نقادان فن سیر و تاریخ اسلام کے نزدیک اصح الکتب ہی کی

حدیثیں کیوں نہ ہوں سر ولیم میور کی تاریخ سے نتادیں صحیح تین بٹا چار (۳/۴) ۹۹ درجہ کم ہے خیال کہنا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سب انبیاء سے آخری نبی تھے سو تشریف لاچکے اب خدا تعالے نے نبوت کا دروازہ بند کر دیا ہے ؛

اب مسلمان سنت نبویہ کو چھوڑ کر خواہ کیسی ہی بدعات سیئہ کو اپنا شعار بنالیں اور کتاب اللہ کو نبذ وراء ظهورهم (اپنے پس پشت پھینک) اگر خواہ کیساہی شرک فی الاعتقاد والعمل اپنا و تار کرلیں لیکن ان کو محض معاشرتی اور تمدنی امور کے لئے وقتاً فوقتاً دنیاوی مصلح کی تو ضرورت ہے مگر معادی اور مذہبی امور کی اصلاح کے واسطے کسی دینی مصلح کی ہرگز ضرورت نہیں وہ خود مذاہب مختلفہ سے میل جول کر کے تبادلۂ خیالات کر سکتے ہیں۔ اور اگرچہ یہ امر مسلّم ہے کہ کرۂ ارض پر اسوقت صلیبی مذہب کا غلبہ ہو گیا ہے اور بقیہ دنیائے اسلام پر ہوتا چلا جاتا ہے مگر خدا تعالیٰ اصلاح امت اسلام کے لئے نہ کبھی مسیح کو آسمان سے نازل کریگا اور نہ زمین پر بطن مادر سے پیدا کریگا۔ کیونکہ آنحضرت خاتم النبیین ہیں۔ اب آپکی امت بگڑے یا نہ بگڑے کوئی اس کو منجانب اللہ متنبہ کرنے والا نہیں آسکتا۔

مسیح موعود کی آمد احادیث سے ثابت ہے اور احادیث کی تدوین زمانہ دراز کے بعد ہوئی ہے ہم یہ تو کسی طرح سے نہیں مان سکتے کہ مسیح آسمان پر اپنے جسم کے ساتھ زندہ ہے اور وہی نازل ہوگا لیکن اسکے ساتھ اسکے بھی قائل نہیں کہ مسیح موعود بطن مادر سے تولد ہوگا۔ کسی راوی نے آمد مسیح کی حدیث وضع کرلی ہے محدثین نے حسن اعتقاد سے اسکو اپنی کتابوں میں درج کردیا ہے؛

بیشک تورات اور انجیل اور تفاسیر مشہورہ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض انبیاء تشریعی اور بعض غیر تشریعی ہوتے رہے ہیں لیکن جب کوئی مسیح موعود ہونے والا ہی نہیں تو اسکی نسبت نبی تشریعی یا امتی ہونے کا سوال ہی عبث ہے ؛

دوسرے گروہ کا اعتقاد دربارہ مسیح موعودؑ

دوسرا گروہ علمائے ظواہر کا ہے جنکا مذہب۔ احادیث کو قرآن کریم پر حکم بنانا اور احادیث کے لئے قرآنی آیات کی تاویل کرنا امر مستحسن ہے ان بزرگواروں کا یہ اعتقاد ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم رسول بنی اسرائیل بجسدہ العنصری ابتک آسمان پر زندہ ہیں قیامت کے نزدیک اصلاح امت اسلام کے لئے

دوبارہ نازل ہونگے اور وہی مسیح موعودؑ ہیں۔ وہ اپنی پہلی بعثت میں تشریعی نبی تھے اب اپنی دوسری بعثت میں غیر تشریعی نبی ہونگے کیونکہ شریعت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات سے کامل ہو چکی ہے اسلئے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے تابع ہونگے۔ چونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کے نبی ہیں اسلئے ان کے آنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے میں کچھ فرق نہیں آتا۔

گو قرآن کریم میں ان کے دوبارہ آنے کی نسبت کوئی اشارۃ النص بھی نہیں ہے۔ اور گو سنت اللہ کسی نبی کے دوبارہ دنیا میں بھیجنے کی نہیں ہے مگر وہ دنیا میں ضرور آئینگے۔ جبکہ ان کو احادیث صحیحہ میں نبی اللہ کہا گیا ہے وہ ضرور غیر تشریعی نبی ہونگے چنانچہ زرقانی لکھتا ہے ان عیسٰی ینزل مع بقائه علی نبوته جلد ۵ صفحہ ۱۶۹ (حضرت عیسیٰؑ اپنی نبوت پر باقی رہنے کے ساتھ نزول فرمائینگے)

تیسرے گروہ کا اعتقاد

تیسرا گروہ اگرچہ دوسرے گروہ کا ہم نوا ہے۔ لیکن اس بات میں متفق نہیں۔ کہ حضرت مسیح اب اپنی دوسری آمد میں منصب نبوت پر آئینگے کو منافی عدل الٰہی ہو مگر وہ بلا جرم و خطا عہدۂ جلیلہ نبوت سے معزول ہوکر اور ترقی معکوس پاکر ایک امتی کی حیثیت میں اصلاح امت محمدیہ کرینگے کیونکہ اب وحی نبوت منقطع ہو چکی ہے نہ تشریعی نبی آسکتا ہے نہ غیر تشریعی نبی۔ حضرت مسیح اپنی پہلی بعثت میں نبی تھے اب دوسری بعثت میں محض امتی ہونگے چنانچہ محمد طاہر مجمع بحار الانوار میں لکھتا ہے۔ ینزل حکما ای حاکما بهذه الشریعة لا نبیاً لفظ حکم صفحہ ۲۸۶۔ اور حضرت مسیح شریعت محمدیہ پر حکمرانی کرینگے نبی نہیں ہونگے۔

ہم مبایعین سیدنا محمود کا اعتقاد

قرآن کریم کے نص صریح قطعی الدلالۃ ما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل (محمد اللہ کا رسول ہے جس سے پہلے سب رسول گذر چکے ہیں) سے ثابت ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام اس دار ناپائدار سے رحلت فرما چکے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی مستثنٰے نہیں۔ منجملہ ان کے سیدنا مسیح ابن مریم علیہ السلام کو بھی باری تعالیٰ عزّ اسمہ نے واقعہ صلیب سے ایک مدت کے بعد جیسا کہ آیت فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیہم (جب تو نے مجھ کو موت دی تو تو ہی ان کی خبر رکھنے والا تھا) سے

ثابت کہ طبعی وفات دی ہے :.

قرآن کریم کی کسی آیت سے ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت مسیح علیہ السلام بجسدہ العنصری آسمان پر زندہ ہیں اور وہی دوبارہ دنیا میں آئینگے بلکہ قرآن کریم کا تو قطعی فیصلہ ہے فیمسک التی قضی علیہ الموت (پس رکھ چھوڑتا ہے جن پر مرنا ٹھہرایا)

پس احادیث صحیحہ میں جس مسیح کی آمد کا ذکر ہے وہ ایک دوسرا مسیح ہے جیسا کہ بخاری و مسلم کی احادیث سے ظاہر ہے خود نبی کریم روحنا فداہ نے دونوں کے الگ الگ حلیے بیان فرمائے ہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس مسیح موعود کی بعثت کا وقت عین غلبہ صلیب کا وقت بتایا ہے اور اس مسیح کو بھی مسیح اسرائیلی کی طرح نبی اللہ کے لقب سے یاد کیا ہے۔

ہمارے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خاتم النبیّین یعنے خاتم کمالات نبوت اور آخری تشریعی نبی تھے اور بلا شبہ حضور کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا جو حضور کی شریعت کا تابع نہ ہو کیونکہ شریعت آنحضرت کی ذات سے کامل ہو چکی ہے الیوم اکملت لکم دینکم پ ۶ ع ۶ (آج دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا ہے) جس طرح آپ خاتم النبیّین تھے اسی طرح سے آپ رحمۃ للعٰلمین پ ۱۷ ع ۷ بھی تھے حضور نے بوجہ خاتم النبیّین یعنے آخری تشریعی نبی ہونے کے بیشک تشریعی انبیاء کی آمد کا دروازہ بند کر دیا ہے اور بوجہ رحمۃ للعٰلمین ہونے کے نبوۃ غیر تشریعی کا دروازہ اپنی امت کے لئے کھولدیا ہے۔

جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے تابع انبیاء غیر تشریعی ہوتے رہے ہیں۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے تابع نبی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے انبیاء جو حضرت موسیٰ کے بعد آتے رہے ہیں وہ سب بلا واسطہ جناب الٰہی سے فیضیاب ہوتے رہے ہیں اور حضرت مسیح موعود نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے فیض نبوت درگاہ رب العزّت سے حاصل کیا ہے اسلئے حضرت مسیح موعود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے امتی بھی ہیں اور آپ کی شریعت کے تابع غیر تشریعی نبی بھی ہیں۔

ہمیشہ سنت اللہ یہی چلی آئی ہے کہ جب کسی تشریعی نبی کے انتقال کے بعد اُمت کا دینی جوش سرد ہو جاتا رہا ہے اور وہ شرک اور بدعات میں مُبتلا ہو کر مرتکب فسق و فجور ہوتے رہے ہیں

تو حضرت حکیم علی الاطلاق عمت نعماءہ اس کی اصلاح حالت کے لئے اپنی رحمت کاملہ سے وقتاً فوقتاً غیر تشریعی نبی تجدید مراسم شریعت اور احیاء نوامیس ملت کے لئے بھیجتا رہا ہے

پس اسی سنت قویم کے مطابق ولن تجد لسنۃ اللہ تحویلاً (تو اللہ کی سنت کو بدلتا ہوا نہیں پائیگا) اللہ تبارک تعالٰے نے احیاء سنت نبویہ اور اقامت امور شرعیہ کے واسطے ایسے زمانہ میں کہ اسلام کی نسبت سے اسلام کا گر کر نہ ابھرنا دیکھے زبان زد شعراء ہو رہا تھا حضرت مسیح موعودؑ کو مبعوث فرمایا۔

آنحضرت روحنا فداہ کی اُمت مرحومہ میں ایک غیر تشریعی نبی کے برپا ہونے سے ہرگز آنحضرت کی شان میں فرق نہیں آتا۔ اللہ اللہ اس مکی مدنی فداہ ابی و امی کی کس قدر شان ارفع و اعلیٰ ہے۔ کہ جس کا امتی مسیح موعود ہے جیسا پہلا مسیح غیر تشریعی نبی خلفاء موسویہ میں سے تھا ویسا ہی مسیح موعود بھی غیر تشریعی نبی خلفاء محمدیہ میں سے ہے :.

لاہوریہ گروہ کا اعتقاد دربارہ مسیح موعودؑ

ان چار مسلکوں کے سوا ان دنوں ایک شرذمہ قلیلہ لاہوریہ نے حروریہ[1] کی طرح خلیفہ وقت سے علیحدہ ہو کر بین المطیع و بین المدبر العاصی (اطاعت کرنے والے اور منہ پھیرنے والے کے درمیان) اور ان ہر چہار اعتقادات کی کتر بیونت کر کے ایک جدید مسلک نکالا ہے کہ بیشک حضرت مسیح ناصری

---

[1] حروریہ خوارج کے نام سے مشہور ہیں۔ حروریہ نے خلیفہ خاندان نبوت سیدنا علی رضؓ سے سرتابی کر کے عبد اللہ ابن وہب الراسبی کو امیر الجیش کا خطاب دیکر اپنا لیڈر مقرر کر لیا تھا۔
لاہوریہ نے بھی خلیفہ خاندان نبوت سیدنا محمود ایدہ اللہ بنصرہ سے سرتابی کر کے ایک صاحب کو امیر القوم کا خطاب دیکر اپنا لیڈر مقرر کر لیا ہے۔
حروریہ نے دار الخلافہ کوفہ کو چھوڑ کر حروراء کو اپنا صدر مقام قرار دے لیا تھا
لاہوریہ نے دار الامان کو چھوڑ کر لاہور کو اپنا صدر مقام قرار دے لیا ہے۔
ابو موسیٰ اشعری نے پیرانہ سالی میں خلیفہ وقت کی نسبت تحکیم سے تقریری اعلان عزل شائع کیا تھا۔ مگر نہ حروریہ کی منشاء کے مطابق دیکھو کتب سیر عزل علی یوم صفین (علی صفین کے روز معزول کیا گیا)
ایک صاحب نے بھی پیرانہ سالی میں خلیفہ وقت کی نسبت محض تحکم سے تحریراً اعلان

فوت ہو چکے ہیں اور وہ دنیا میں دوبارہ تشریف نہیں لائینگے اور جس مسیح کے متعلق احادیث میں پشیگوئی ہے وہ دوسرا موعود ہے لیکن اوّل الذکر مسیح صاحب شریعت نبی تھا اور یہ آخرالذکر مسیح موعود نبی نہیں ہے بلکہ ایک محض اُمّتی ہے کیونکہ آنحضرت بوجہ آخری نبی ہونے کے اپنی امت کے لئے باب رسالت مسدود فرما گئے ہیں ؞

جن احادیث میں مسیح موعود کو نبی اللہ کہا گیا ہے منجملہ ان کے جو صحیح ہیں وہ قابل تاویل ہیں اور جو ضعیف ہیں وہ قابل احتجاج نہیں کیونکہ کوئی نبی اللہ بغیر کتاب اور شریعت کے نہیں ہوتا رہا اور ہر نبی اپنی ہی شریعت پر عمل کرنے کا مکلّف ہوتا چلا آیا ہے۔ اور کسی سابقہ شریعت پر عمل نہیں کرتا رہا چونکہ مسیح موعود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کی شریعت کے تابع ہیں اسلئے نبی کہلانے کے مستحق نہیں ہیں بیشک مسیح ناصری صاحب شریعت جدیدہ اور مالک کتاب نبی تھے مسیح موعود نہ مالک کتاب اور نہ صاحب شریعت ہیں۔ غیر تشریعی نبی کوئی نہیں ہوا اسلئے مسیح موعود غیر تشریعی نبی بھی نہیں بلکہ محض امتی ہیں۔ دیگر افراد امت سے مسیح موعود کو کوئی خصوصیّت نہیں کہ ان کو منصب نبوت حاصل ہو سکے۔ ان کے نزدیک حضور علیہ السّلام کی نبوت کی وقعت لیس فی جبتہ غیر الزمّلین سے زیادہ نہیں لہٰذا حضرت مسیح موعود کی آمد اور منصب جلیلہ کے متعلق ان مسالک خمسہ کو کتاب اللہ اور کتاب الرسول اور تاریخ صحیحہ متفقہ اہل اسلام کی روشنی میں لانا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کونسا مسلک منہج قویم اور صراط مستقیم کے مطابق ہے ؞

مسلک اوّل کی خرابی

مسلک اوّل کی نسبت عرض ہے۔ فرض کرو آنحضرت نے غلبہ صلیب کے زمانہ کے متعلق نہ خبر دی ہے اور نہ مسیح موعود کی نسبت پشگوئی کی ہے بلکہ ایک مفتری علی الرسول نے من کذب علیّ متعمّداً فلیتبوء مقعدہ فی النّار (جو دانستہ مجھ پر جھوٹ بولتا ہے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بناتا ہے) کی وعید شدید کی مطلق پروانہ کرکے اس وضعی

شائع کیا ہے مگر لاہوریہ کے منشا کے مطابق (دیکھو ضرورئی اعلان مطبوعہ ۲۲ دسمبر ۱۹۱۶ء)

فرق اتنا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ نہ نبوت کے منکر تھے نہ خلافت کے مگر یہ صاحب دونوں کے منکر ہیں۔ حروریہ نے خلیفہ وقت کے برخلاف ان الحکم الا اللہ و امرہم شوریٰ بینہم (خدا کے سوا کسی کا حکم نہیں اور ہم مشورت سے کام کرینگے) کی صدا احتجاج بلند کی تھی۔ لاہوریہ نے بھی خلیفہ وقت کے برخلاف مشورت کر تا قاطع پارٹی کی صدائے احتجاج بلند کی ہے ؞

اور جعلی پیش خبری کو جناب الصدیق الصادقین فداہ ابی وامی کی طرف منسوب کیا ہے اور امام بخاری جیسے نقاد فن حدیث نے جس کی احتیاط ائمہ حدیث اور علماے سیر اور مورخین اسلام کے نزدیک مسلم الثبوت ہے اپنی عادت مستمرہ جرح و تعدیل کو چھوڑ کر بغیر تنقید کے اس وضعی روایت کو سادہ لوحی یا خوش اعتقادی سے اپنی مشہور کتاب جامع الصحیح میں درج کر لیا ہے۔

اب یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اس مفتری نے اس روایت کو کس زمانہ میں اور کس خیال سے وضع کیا ہے کیا وہ کروسیڈ کا زمانہ ہے کہ اقوام یورپ نے یوروشلم اور تسخیر سیریا کیلئے متفق ہو کر میدان جنگ میں لشکالی ہے اور مصر و شام پر حملہ کر دیا ہے اور اس راوی نے عیسائی قوم کی متفقہ کوشش اور سعی اور جوش سے متاثر ہو کر اور روم کے پوپ اور پادریوں کی قوت کے بڑھ جانے کو سیاسی نگاہ غائر سے دیکھکر یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اب اس تنازع للبقا میں جو اسلام اور نصرانیت میں بپا ہو گیا ہے آج نہ سہی چند صدیوں کے بعد اسلامی بحر ذخار میں ضرور حالت جزر پیدا ہو جائے گی اور مسلمان مضطرب ہو کر یہ کہہ اٹھینگے ؎ ملتے نہ کبھی کہ مدّ ہے ہر جزر کے بعد ؞ دریا کا ہمارے جو اترنا دیکھے ؞ اور عیسویت کا سمندر جوش زن ہو کر تمام ممالک اسلامیہ پر پانی پھیر دے گا اسلامی علم سرنگون ہو جائے گا اور صلیبی جھنڈا ہر گوشہ دنیا میں لہراتا نظر آئیگا لہٰذا اپنے پیغمبر کی عظمت اور وقار بڑھانے اور ان کے معجزات اور پیشگوئیوں کی وقعت قائم کرنے کے لئے ایک ایسی روایت بطور پیش خبری قبل از وقت اپنی طرف سے وضع کر کے اسکی طرف منسوب کر رکھنی چاہیے کہ جب دنیا پر غلبہ صلیب ہو جائے تو اسوقت کے بعض خوش اعتقاد مسلمان اس روایت کو اپنے نبی کریم کے دیگر معجزات کی تصدیق میں مخالفان مذہب اسلام کے سامنے پیش کر سکیں۔ گو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر افترا کرنا کیسا ہی گناہ عظیم کیوں نہ ہو اور اسکی وعید ابدی نار جہنم ہی ہو اور گو ایسی پیش خبری کو اپنی ذات کی طرف منسوب کرنے سے اپنی کیاست اور فراست کا اظہار ہوتا ہو اور اس میں کسی قسم کا گناہ بھی نہ ہو پھر بھی اس پشینگوئی کو بلا مفاد دنیوی و اخروی اپنے پیغمبر ہی کی طرف منسوب کرنا بہتر ہے ؞

لیکن جب تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالکر دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اگر بالفرض یہ روایت وضع بھی ہوئی ہے تو امام بخاری سے پہلے ہوئی ہے اور امام بخاری کا تولد ۱۹۴ھ

ہے جو کروسیڈ سے دو سو تراسی (۲۸۳) برس پہلے ہے کیونکہ پہلا کروسیڈ ۱۰۹۳ء میں پیٹر دی ہرمٹ
کے جوش دلانے والی منادی سے ہوا ہے اور ۱۹۴ھ کا زمانہ قریب قریب ۸۱۰ء کے ہے جس
میں لشکر اسلام جبل الطارق سے گزر کر اسپین میں اور اسپین سے بڑھکر جگہ گاہ فرانس مقام ٹورس کے
قریب تک جا پہنچا ہے ایشیا مائنر اور مصر اور افریقہ سے رومۃ الکبریٰ کی سلطنت کا اثر بلکلی زائل ہو
چکا ہے اور اسلامی علم کا پرچم اپنر لہرا رہا ہے اسلامی فتوحات کا اثر سندھ - ہند - ملک چین - اور
سائبیریا اور آبنائے باسفورس تک پھیل چکا ہے ایسے شباب اسلام کے وقت میں جو اسکے زوال کا
خیال ایک سیاسی مدبر کے دماغ میں بھی آنا مشکل ہے ایک سیدھے سادے مسلمان کا جو نہ کوئی
فلاسفر ہے نہ حکیم ہے نہ دوراندیش - بارہ سو برس پیشتر یہ کہنا کہ گو اس وقت مسلمان ہر طرف
مظفر و منصور اور عیسائی مغلوب و مقہور ہیں مگر ضرور ایک وقت ایسا آجائے گا کہ صلیبی جھنڈا
روئے زمین پر اپنا پرچم اڑائیگا اور اسلام کما بدء غریباً سیعود غریباً ہو جائے گا - اور
پھر بارہ سو برس کے بعد اس کی پیشگوئی کا بے کم و کاست پورا ہو جانا معجزہ ہے کرامت ہے
خرق عادت ہے الہام ہے استدراج ہے ٭٭ -

ایسے معجز کلام کو تو فخر قوم و ملت اور ناصر الاسلام کہنا روا ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر
عاشق رسول اللہ کہنا زیبا ہے کہ اس نے ایسی زبردست پیشگوئی اپنی ذات کی طرف منسوب
نہیں کی جو اگر کر لیتا تو یورپ کے اس سیاسی مدبر سے جو بعض قرائن سیاسیہ سے قبل از وقوع
کوئی نتیجہ استخراج کر کے اخباری دنیا میں عام شہرت کا امتیازی تمغا حاصل کرتا ہو زیادہ تر مستحق
عزت و شہرت ہوتا اور اگر اس کا وجود یورپ کی سرزمین میں ہوتا تو آج ہمارا آزاد خیال گروہ بھی
نہایت احترام سے اسکا نام لیتا مگر اس غریب راوی کا مولد تو ایشیا کی خاک ہے بدیں
وجہ اسکو مفتری اور کاذب اور غیر قابل اعتماد کا خطاب دیا جاتا ہے ٭٭ -

کس قدر قابل افسوس امر ہے کہ جب تک اسکی روایت اپنے الفاظ میں پوری
نہیں ہوئی تھی تو ماہران فن روایت اور واقفان طرق سیر و تاریخ اس روایت پر صحیح حسن کا
ریویو کرتے رہے اور جب وہی روایت اپنے الفاظ میں پوری ہو گئی اور اس نے صورت
وقوع اختیار کر کے اپنی صداقت پر آپ مہر کر دی اذا وقعت الواقعہ لیس لوقعتہا

کاذبہ (جب ہونے والی بات ہو چکے گی نہیں کوئی اس کے ہو چکنے کے لئے جھوٹ بولنے والا) تو
ناشناسان فن روایت اس پر جعلی اور وضعی ہونے کا ریمارک کرنے لگ گئے ھذا لشیء عجاب
قوم کی بدقسمتی پر رونا آتا ہے کہ جو امر باعث فخر و مباہات قوم و ملت ہو - اسی پر بیجا نکتہ چینی کی
جاتی ہے فرض کیا کہ اس دانا دشمن نے محض از راہ ہمدردی اسلام اسلامی صداقت کے ثابت
کرنے کے لئے ایک روایت اپنے دل سے وضع کی ہے جو آج چودھویں رات کے چاند کی طرح
چمک رہی ہے آپ کیوں اسلام کے نادان دشمن بنکر ایک اسلامی صداقت کی بلا وجہ موجہ اور بلا
دلیل تکذیب کرتے ہیں -

آخر اس غریب کی نسبت بدظنی کے پیمانہ کا کچھ حصہ کم کر کے اتنا تو خیال کرو کہ اس نے نہ
اپنی ذاتی شہرت کو مد نظر رکھا ہے اور نہ اپنی کیاست و فراست کے اظہار کو ملحوظ رکھا ہے اور نہ اپنے
گنہگار ہونے کی پروا کی ہے پھر کس مجبوری نے اسکو ایسا مضطر کیا ہے کہ اسنے یہ پیش خبری اپنی
طبیعت سے تراش کر اس اصدق الصادقین کی طرف منسوب کی ہے -

اور کیوں اکابر محدثین اور آئمہ حدیث نے اس روایت کے ایسے راوی کی نسبت جرح و قدح
نہیں کی اور کیوں اسکو صادق القول دیانتدار متقی کی سند دیکر اسکی روایت کو کتب حدیث
میں درج کیا ہے اور اگر اس پیشگوئی کا واضع ایک ہے تو اسکے متعدد طرق کیوں ہیں؟ کیا متعدد
اشخاص نے اس کو وضع کیا ہے دیکھو امام بخاری نے اس حدیث کے راوی یہ بیان کئے ہیں
حدثنا اسحٰق انا یعقوب بن ابراھیم ثنا ابی صالح عن ابن شہاب ان سعید ابن
المسیب سمع ابا ھریرۃ رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفسی
بیدہ لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکماً عدلاً فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر
(امام بخاری فرماتے ہیں کہ ہم سے اسحٰق نے اور ان سے یعقوب بن ابراہیم نے اور ان سے انکے
والد نے بیان کیا اور ابو صالح ابن شہاب سے سنا سعید ابن مسیب نے ابو ہریرہ کو کہتے ہوئے سُنا - کہ
جناب رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ ضرور ضرور تم میں ابن مریم حکم عادل ہو کر آئے گا -
پھر وہ صلیب کو توڑیگا خنزیر کو قتل کریگا) اور امام احمد ابن حنبل کی مسند میں اسکے راوی یہ
درج ہیں - حدثنا عبد اللہ حدثنی ابی ثنا محمد ابن جعفر قال ثنا ھشام

ابن حسان عن محمد عن ابی ھریرۃ۔ ان دونوں روایتوں کا راوی اوّل ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہے مگر دوسرے راوی جدا جدا ہیں اور سب ثقاہت میں مسلم ہیں ائمہ جرح نے انکی دیانت پر کوئی اعتراض نہیں کیا پس ان بزرگوں کی طرف وضاع ہونے کا گمان ان بعض الظن اثم میں داخل ہے۔

اسلامی دوستی کے یہ معنی نہیں کہ بغیر سوچے سمجھے کسی کے کہنے سے ایک اسلامی صداقت پر بیجا نکتہ چینی کیجائے اور برہان عقلی یا نقلی قائم کرنیکے بغیر ایک روایت کو جعلی یا وضعی کہنا اصول روایت کے خلاف ہے۔

ان یونیورسٹی تعلیمیافتہ نوجوان مسلمانوں سے تو تاریکی کے زمانہ کے پلے ہوئے ان پڑھ یہودی ہی دانشمندانہ اپنے مذہب کی حمایت کرتے تھے کہ جب عیسائیوں نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے اولڈ ٹسٹمنٹ سے چند پیشگوئیاں پیش کیں تو انہوں نے بجائے وضعی اور جعلی کہنے ان روایات کے یہ کہدیا کہ یہ پیشگوئیاں مسیح پر چسپان نہیں ہوتیں یعنی یہ روایات تو صحیح ہیں۔ مگر حضرت مسیح کے حق میں پورے طور سے صادق نہیں آتیں لیکن ان کے برخلاف ہماری قوم کے نئی روشنی میں تربیت یافتہ ایم اے اور بی اے۔ بیرسٹر اور وکیل اڈیٹر اور مدیر پروفیسر اور فلاسفر بخاری جیسی اصح الکتب کی اسی روایت صحیحہ کو جو آپ اپنا جوہر صداقت اہل بصیرت پر نمایاں کر رہی ہے۔ وضعی ہونے کا خطاب دے رہے ہیں۔

اسلام کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا مصیبت کا زمانہ آئیگا۔ کہ اسی کے نام لیوا اسی کی صداقتوں پر جبکہ ان صداقتوں کے ظہور کا زمانہ اپنی آنکھوں کے سامنے جلوہ گر دیکھ رہے ہیں تو تکذیب اور تردید کا پانی پھیر رہے ہیں۔ آریہ سماج بیدوں کی ڈیڈ لنگوج سنسکرت کی وضعیات کو جنکے مصنفوں کا پتہ نہیں چلتا صداقتوں کا جامہ پہنانے میں سر توڑ کوشش کر رہی ہے اور اس کے نوجوان انگریزی خوان اسکی حمایت میں چہار طرف سے زور دے رہے ہیں مگر اللہ رے مسلمانوں کی حق جوئی اور حق پسندی کہ اسلامی صداقتوں کو وضعیات کا خطاب دینا ان کے نزدیک اسلامی حمایت ہے۔

خیر چونکہ اس حدیث کے دو حصہ ہیں ایک آخری دنوں میں صلیب کا غلبہ ہونا۔ دوسرا غلبہ صلیب کے وقت مسیح موعود کا آنا۔ پہلے حصہ کی نسبت تو ابھی عرض ہو چکا ہے۔ اب رہا وہ

حصہ جس میں مسیح موعود کے آنے کی خبر ہے سو اس کی نسبت حضرت مسیح موعود کی ایک تحریر پیش کیجاتی ہے۔ آپ شہادت القرآن میں فرماتے ہیں۔

واضح ہو کہ مسیح موعود کے بارے میں جو احادیث میں پیشگوئی ہے وہ ایسی نہیں جس کو صرف ائمہ حدیث نے چند روایتوں کی بنا پر لکھا ہو دیس۔ بلکہ یہ ثابت ہو گیا ہے کہ یہ پیشگوئی عقیدہ کے طور پر ابتدا سے مسلمانوں کے رگ و ریشہ میں داخل چلی آتی ہے گویا جس قدر اسوقت روئے زمین پر مسلمان تھے۔ اسی قدر اس پیشگوئی کی صحت پر شہادتیں موجود تھیں کیونکہ عقیدہ کے طور پر وہ اس کو یاد کرتے چلے آتے تھے اور ائمہ حدیث امام بخاری وغیرہ نے اس پیشگوئی کی نسبت اگر کوئی امر اپنی کوشش سے نکالا ہے تو صرف یہی کہ جب اس کو کروڑہا مسلمانوں میں مشہور اور زبان زد پایا تو اپنے قاعدہ کے موافق مسلمانوں کے اس قومی تعامل کے لئے روایتی سند کو تلاش کر کے پیدا کیا اور روایات صحیح مرفوعہ متصلہ سے جن کا ذخیرہ ان کی کتابوں میں پایا جاتا ہے۔ اسناد کو دکھا دیا۔

علاوہ اسکے کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ اگر نعوذ باللہ یہ افترا ہے تو اس افترا کی مسلمانوں کو کیا ضرورت تھی؟ اور کیوں انہوں نے اس پر اتفاق کر لیا اور کس ضرورت قویہ نے ان کو اس افترا پر مجبور کیا۔ (انتہیٰ کلامہ القدسی)

مسلک ثانی کی خرابی

اب دوسرے گروہ کا اعتقاد کہ حضرت مسیح ناصری بجسدہ العنصری آسمان پر زندہ ہیں اور وہی پھر دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے

اس کی نسبت جواب ہو چکا ہے کہ قرآن کریم اور سنت اللہ اور فطرت انسانی اس عقیدہ کو دور سے دھکا دیتی ہے۔ اور ان کا یہ عقیدہ ہے کہ پہلے تشریعی نبی تھے اب غیر تشریعی نبی ہو کر آئینگے۔ ثبت العرش ثم النقش (پہلے تخت بنالو پھر اس پر نقش کرو) یہ بحث اس وقت ہو سکتی ہے جب ان کی آسمانی جسمانی زندگانی ثابت ہو کر انکی جسمانی رجعت ثابت ہو لیکن یہ دونوں امر کتاب اللہ و کتاب الرسول سے پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتے من ادعی فعلیہ البیان۔ علاوہ بریں تشریعی نبی کے غیر تشریعی نبی بنجانے کی انبیاء گذشتہ میں کوئی نظیر نہیں پائی جاتی۔

مسلک ثالث کی خرابی

تیسرے گروہ کا قول کہ پہلے حضرت مسیح تشریعی نبی تھے اب ایک امتی بنکر آئینگے ھذٰا اوھن من بیت العنکبوت (یہ تو مکڑی کے جالے

بھی زیادہ بودا ہے۔ ث) کیونکہ نبوت ایک انعام ہے خداتعالے کا بے جرم وخطا۔ ایک اولوالعزم نبی کو اسکے عہدہ جلیلہ سے معزول کرنا منافی شان عدل ورحم وربوبیت ہے ان اللہ لیس بظلام للعبید (اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔) **مسلک رابع** ہمارا مسلک ہے

مسلک خامس کی خرابی پانچویں گروہ لاہوریہ کے مسلک کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر نبی صاحب کتاب ہوتا ہے اسلئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی امت کا کوئی فرد نبی نہیں ہوسکتا۔ اور نبی نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خاتم النبیّین ہیں مسیح موعود تو موعود مسیح ہیں کیونکہ آنحضرت نے اسکی آمد کی خبر دی ہے مگر نبی نہیں ہے۔

چونکہ مسالک خمسہ میں سے ہر ایک کے مسلک کا استدلال خاتم النّبیین کی آیت سے ہے اسلئے خاکسار **عبید اللہ** بسمل احمدی بن حضرت خواجہ **مظہر جمال** صاحب مرحوم نقشبندی مجددی نے یہ عجالہ جس کا نام **حق الیقین** فی معنی خاتم النّبیّین ہے غیر متعصب اصحاب کی خدمت میں پیش کیا ہے اسال اللہ تعالیٰ ان یعصمنی من غش الغلط وقبح التورط وان یخلص عملی لوجہہ ویوسعنی من عفوہ انہ علی مایشاء قدیر وباجابۃ ادعیۃ العباد جدیر واللہ المستعان وعلیہ التکلان وھو حسبنا ونعم الوکیل ط

مؤلف

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ

(ترجمہ) محمدؐ تم مردوں میں سے کسی کا باپ نہیں ولیکن اللہ کا رسول اور خاتم النّبیّین ہے

شانِ نزول

حضرت زید ابن حارثہ اُن چار نفوس میں سے ہیں جن کو سبقت اسلام کا شرف حاصل ہُوا ہے بعض کے نزدیک حضرت اُم المومنین صدیقہ کبریٰ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد اور بعض کے نزدیک حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے بعد مشرف باسلام ہوئے ہیں یہ دراصل ایک اعلیٰ شریف النسب آدمی تھے اور عرب کے اس معروف قبیلہ میں سے تھے جو بنی طے کے نام سے مشہور تھا اور جس میں حاتم طائی جیسا نامور فیاض گزرا ہے قبل از بعثت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی والدہ سُعدیٰ قافلہ کے ساتھ ان کو لیکر میکے جارہی تھیں۔ عرب کے بدوؤں نے قافلہ پر چھاپا مار کر سارا مال متاع لُوٹ لیا۔ زید کو بھی پکڑ کرلے گئے ابھی آٹھ یا نو برس کی عمر تھی کہ زید کو مکّہ کے مشہور بازار عکاظ میں لاکر فروخت کیا۔

حضرت صدیقہ کبریٰ خدیجہ رضؓ کے بھتیجے حکیم ابن حزام نے اپنی پھوپی کے لئے چارسَو درہم کو خریدا۔ جب حضرت خدیجہ کا نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوگیا تو حضرت صدیقہ نے زید کو حضور علیہ السلام کی ملکیّت میں دیدیا۔

حضور علیہ السلام نے فوراً آزاد کردیا تھوڑے دنوں کے بعد زید کا چچا تلاش کرتا ہُوا مکّہ میں آنکلا اور زید کو پہچان کر اپنے ساتھ لیجانا چاہا لیکن زید حضور علیہ السلام کی شفقت کا ایسا گرویدہ ہوگیا تھا کہ اس نے آپکا دامن عاطفت ترک کرنا گوارا نہ کیا حضور علیہ السلام

نے فرمایا کہ اگر زید کی منشاء رہنے کی ہو تو ہم اپنے پاس رکھینگے اور اگر جانا چاہے تو ہماری طرف سے اجازت ہے مگر زید نے اپنے چچا کے ساتھ جانے سے انکار کردیا۔ آنحضرت زید پر ایسی شفقت فرماتے تھے جیسے کہ ایک شفیق باپ بیٹے پر۔ اس شفقت کو دیکھکر لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ حضور علیہ السّلام نے زید کو اپنا متبنّٰی قرار دیا ہے بدیں وجہ لوگ زید کو بجائے زید ابن حارثہؓ پکارنے کے زید ابن محمدؐ پکارنے لگ گئے۔ لیکن چونکہ چند دنوں تک غلامی کی حالت میں رہ چکے تھے بعض لوگ اب بھی اس شریف بنی طے کو بنظرِ حقارت دیکھتے تھے۔

زید حضور علیہ السّلام کو بہت عزیز تھے حضرت نے اُن کا نکاح اپنی آزاد لونڈی ام ایمن سے کردیا۔ اُن کے بطن سے اُسامہ ابن زید پیدا ہوئے وہ بھی اپنے باپ زید کی طرح حضور علیہ السلام کو یا اَبتِ کہکر پکارا کرتے تھے۔

جب ام ایمن کا انتقال ہوگیا تو حضور علیہ السلام نے ان کا دوسرا نکاح اپنی پھوپی زادہ بہن زینب بنت جحش سے کرنا چاہا زینب کی والدہ کا نام امیمہ بنت عبدالمطلب تھا۔

اگرچہ زید ابن حارثہؓ اب زید ابن محمد پکارے جاتے تھے اور لوگوں کو یہ بھی معلوم ہوگیا تھا کہ یہ قبیلہ بنی طے کے شریف النسب نوجوان ہیں مگر چند روزہ داغ غلامی لگنے سے زینب جو قریش کے چمکتے ہوئے خاندان بنی ہاشم کی لڑکی تھی زید سے بوجہ خدائی ناپسند کرنے لگی۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بہت اصرار کیا مگر زینب انکار پر انکار کرتی چلی گئی۔ خداتعٰ نے اسکے انکار پر یہ آیت نازل فرمائی وما کان لمؤمن ولا مومنة اذا قضی اللہ ورسولہ امراً ان یکون لھم الخیرة من امرھم ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالاً مبیناً۔ پ۲۲ ع۲ اور کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو لائق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول اسکی نسبت کوئی بات قرار دیدیں تو وہ اپنی رائے کو دخل دیں اور اس بات میں ان کا اپنا اختیار باقی ہے اور جو شخص اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی کریگا تو وہ صریح گمراہی میں پڑچکا اس حکم الٰہی کو سُنکر زینب مجبور ہوگئیں اور حضور نبوی کے حکم کے مطابق زید کو اپنا شوہر تسلیم کرلیا۔

نکاح ہونے کو تو ہوگیا مگر میاں بیوی میں موافقت پیدا نہ ہوئی حتّٰی کہ زید زینب کے چھوڑنے پر آمادہ ہوگیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم ہر چند فرماتے رہے امسک علیک زوجک

(اپنی بیوی کو اپنے پاس رہنے دے) مگر زید خانہ جنگی سے کچھ ایسا بیزار ہوگیا کہ اسنے زینب کو طلاق دیدی اب حضور علیہ السلام کو چند مشکلیں پیش آئیں۔ سب سے پہلے زینب کی دلجوئی کہ ان کو آپ نے زید سے بیاہ دیا تھا اور وہ نکاح ان کو ناگوار تھا۔ اس پر طلاق دیا جانا یہ دوسری ناگواری تھی۔ اسی کے مقارن خداتعالےٰ کو منظور ہوا کہ متبنّٰی کی رسم جو خلاف نیچر ہے موقوف کی جائے۔

جب ایک شخص دنیا میں کوئی اصلاح کرنا چاہتا ہے تو سب سے عمدہ تدبیر اس اصلاح کے جاری کرنے کی یہ ہے کہ خود اس پر عمل کرکے اپنا نمونہ دوسرونکو دکھائے اب یہ موقع تھا کہ زینب کی دلجوئی کے لئے تو حضور علیہ السّلام ان سے نکاح کرلیں مگر باعتبار رواج عرب متبنّٰی کی بی بی سے نکاح کرنا صلبی بیٹے کی بی بی سے نکاح کرنے کے برابر سمجھا جاتا تھا۔

اگر حضور علیہ السلام زینب سے نکاح نہ کرتے تو زینب کی دلجوئی نہیں ہوسکتی تھی اور نہ متبنّٰی کی رسم کی اصلاح ہوسکتی تھی۔ لوگ یہ حجت کرتے کہ خود جناب رسول کریم کو ایسا موقعہ ملا اور جو دوسروں سے کرانا چاہتے تھے آپنے خود نہ کیا۔

لیکن ایسا نکاح کرنے میں یہ قباحت تھی کہ رسم مروّجہ کے مطابق نہایت ہی مکروہ الزام اس عالیجناب پر عائد ہوتا اس لئے حضور علیہ السلام چند روز تک اس میں متردد رہے۔ مگر آخر کار اصلاح کا پہلو غالب رہا حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ جب زینب کی مدّت عدت پوری ہوچکی تو جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم نے زید ابن حارثہ سے فرمایا کہ زینب کے پاس جاؤ اور میرے نکاح کا پیغام ان کو دو۔ زید گئے اور دروازہ کی طرف پُشت کرکے کہا زینب! جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلّم تم کو اپنے نکاح کا پیام دیتے ہیں۔ زینب یہ پیام سُن کر مارے خوشی کے سجدے میں گر پڑیں اور زید سے کہا تاوقتیکہ میں اس بارے میں استخارہ نہ کرلوں اور خدائے عزّوجل سے مشورہ نہ لے لوں کوئی جواب نہیں دے سکتی۔ اس موقع پر جناب رسول خدا صلے اللہ پر یہ آیت نازل ہوئی فلما قضی زید منھا وطراً زوجنکھا لکیلا یکون علی المؤمنین حرج فی ازواج ادعیاءھم اذا قضوا منھنّ وطراً وکان امر اللہ مفعولاً ط پھر جب زید زینب سے بےتعلقی کرچکا تو ہمنے اے رسول تمہارے ساتھ اسکا نکاح کردیا تاکہ مسلمانوں کے لئے ان کے منہ بولے بیٹوں کی عورتوں سے جب وہ اپنی بیبیوں سے تعلق

نکاح کر لینے میں کسی طرح کی تنگی نہ رہے اور خدا کا حکم تو ہو کر ہی رہتا ہے۔

ادھر خدا تعالےٰ کے حکم سے ۵ھ میں آنحضرت کا نکاح زینب سے ہو گیا۔ ادھر کفار نے زبان درازی شروع کر دی کہ حضرت نے اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا خدا تعالےٰ نے طعنے کے جواب میں یہ آیت نازل فرمائی ما کان محمد ابا احد من رجالکم (یعنے جب محمد تم مردوں میں سے کسی کا حقیقی باپ نہیں تو زید کا جو صرف زبان سے بیٹا کہا گیا ہے کیوں باپ ہونے لگا۔ ما جعل ادعیاءکم ابناءکم ذٰلکم قولکم بافواھکم (تمہارے منہ بولے بیٹے خدا نے تمہارے بیٹے نہیں بنائے یہ تو محض تمہارے منہ کی باتیں ہیں) جو حقیقت سے بالکل دور ہیں فطرت میں تو ابنک ابن بوحک ہے) تیرا فرزند وہ ہے جو تیرے نطفہ سے ہو۔ پھر زید کی مطلقہ بیوی سے نکاح کیوں حرام ہونے لگا تھا۔

اب چونکہ ابنیت کی نفی کے ساتھ حضور علیہ السلام کی نرینہ اولاد کی بھی اس آیت میں نفی ہوتی تھی اور کفار قریش پہلے ہی سے حضور کی نرینہ اولاد کے انتقال پر ابتر ہونے کا طعنہ دے رہے تھے اور اب اس آیت میں نرینہ اولاد کی نفی سے کفار قریش کے طعنہ کی تائید کا وہم پیدا ہوتا تھا۔ لہٰذا اس شبہ اور وہم کے رفع کرنے کے لئے خدا تعالےٰ نے ولکن رسول اللہ فرمایا۔

وَلٰکِنۡ

اس میں دو قرأتیں ہیں (ایک) تشدید نون کے ساتھ جیسا کہ بیضاوی میں ہے۔ قرئ (ولکنّ) بالتشدید نخفیذٍ یکون رسول اللہ بالنصب اسمہٗ (لکنّ) تشدید نون کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اس حالت میں رسول اللہ نصب کے ساتھ اس کا اسم ہوگا) مگر یہ قرأت شاذ ہے۔

تشدید نون کے ساتھ حروف مشبہ بالفعل سے ہے جو اسم کو نصب اور خبر کو رفع دیتے ہیں یہ دو جملوں کے درمیان آیا کرتا ہے (۱) کبھی محض تاکید کے (۲) اور کبھی تاکید مع الاستدراک (۳) اور کبھی مجرد استدراک کے معنے دیتا ہے۔

(۱) تاکید کے معنی کا افادہ اسوقت دیتا ہے جبکہ جملہ ثانیہ اثبات یا نفی میں جملہ اولیٰ کا

لفظاً موکد ہو جیسے لو جاءنی زید اکرمتہ ولکنّہ لم یجیٔ (اگر زید میرے پاس آتا تو میں اسکا اکرام کرتا ولیکن وہ میرے پاس نہیں آیا۔ اسکا جملہ اولیٰ (لو جاءنی زید) اگر زید آتا) زید کی عدم مجیئت پر دال ہے اور دوسرا جملہ (لم یجیٔ وہ نہیں آیا) اسی کی نفی کرتا ہے اسلئے جملہ ثانیہ جملہ اولیٰ کا موکد لفظی ہے۔

(۲) تاکید مع الاستدراک کا فائدہ اسوقت دیتا ہے کہ جب جملہ ثانیہ اثبات یا نفی میں جملہ اولیٰ کا لفظاً تو نہیں مگر معناً موکد ہو جیسے ما زید شجاعاً لکنّہ کریم (زید شجاع ہی نہیں ولیکن کریم ہے) کریم لفظ شجاع کی لفظاً تو تاکید نہیں مگر معناً تاکید ہے کیونکہ کریم کے لیے شجاعت لازم ہے۔

(۳) مجرد استدراک کے معنی اس وقت دیتا ہے جب جملہ ثانیہ جملہ اولےٰ کے ساتھ نفی اور اثبات میں محض معناً مغایر ہو۔ چنانچہ رضی لکھتا ہے فشرطھا مغایرۃ ما قبلھا لما بعدھا نفیاً واثباتاً من حیث المعنی لا من حیث اللفظ (اسکی شرطیہ ہے کہ اسکا جملہ ثانیہ حکم میں اپنے ماقبل جملہ کا لفظاً تو نہیں مگر معناً مخالف ہو۔

اور استدراک کے معنے لغت میں تدارک مافات کے ہیں اور نحویوں نے اسکی تعریف یہ کی ہے رفع توھم یتولد من الکلام المتقدم (یعنے پہلے کلام سے کسی پیدا شدہ وہم کا دور کرنا استدراک ہے پس حرف استدراک یعنی (ولکنّ) کے استعمال کی پانچ شرطیں ہوئیں۔

(۱) حرف استدراک دو جملوں کے درمیان ہو۔

(۲) اسکے بعد کا کلام نفی اور اثبات میں پہلے کلام کا مغایر ہو۔

(۳) پہلا کلام مابعد کے کلام سے من حیث اللفظ مغایر نہ ہو بلکہ معناً مغایر ہو۔ اور اگر من حیث اللفظ مغایر ہو تو صورت تاکید پیدا ہو جاتی ہے اور اگر معناً مغایر نہ ہو تو صورت تاکید مع الاستدراک کی نمایاں ہو جاتی ہے اور مجرد استدراک کے لئے معناً مغایرت شرط ہے

(۴) پہلے کلام سے کوئی وہم پیدا ہوتا ہو۔ اور اگر وہم نہ پیدا ہو۔ تو کلمہ استدراک کا استعمال بے سود ہو جاتا ہے۔

(۵) اسکے بعد کا کلام اس وہم ناشئی کو دور کرتا ہو۔ اور اگر اس سے وہم دور نہ ہوتا ہو۔ تو بھی کلمہ استدراک کا لانا عبث ٹھہرتا ہے۔

اب اس آیت کریمہ ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین پر غور کرو۔ اس میں پانچوں شرطیں پائی جاتی ہیں یا نہیں؟

(۱) شرط اول کے مطابق اس آیت میں حرف استدراک (ولکن) دو جملوں ما کان محمد ابا احد من رجالکم اور رسول اللہ وخاتم النبیین کے درمیان واقع ہے۔

(۲) شرط دوم کے مطابق (ولکن) سے پہلا کلام ما کان محمد ابا احد من رجالکم جملہ نافیہ ہے اور اسکے بعد کا کلام رسول اللہ وخاتم النبیین جملہ مثبتہ ہے۔ اور یہ دونوں نفی اور اثبات میں ایک دوسرے کے مغایر ہیں۔

(۳) شرط سوم کے مطابق (ولکن) سے بعد کے کلام رسول اللہ وخاتم النبیین میں کوئی لفظ اس سے پہلے کلام ما کان محمد ابا احد من رجالکم کے الفاظ کا نہ معناً مؤکد ہے۔ نہ من حیث اللفظ مغایر ہے بلکہ معناً مغایر ہے۔ اگر لفظاً مغایر ہوتا تو تاکید کی صورت بنجاتی جیسے لو جاءنی زید اکرمتہ ولکنہ لم یجیئ میں اور اگر معناً مؤکد ہوتا۔ تو تاکید مع الاستدراک کی صورت بنجاتی جیسے ما زید شجاعاً ولکنہ کریم میں لہذا محض معناً مغایر ہونے سے مجرد استدراک ہی کی صورت بن سکتی ہے۔

اب یہ تو ثابت ہوگیا کہ کلام اول کلام ثانی سے محض معناً مغایر ہے مگر یہ مغایرت کیسی ہے کیونکہ استدراک کی صورت میں جملوں کی مغایرت کی تین ہی صورتیں ہوا کرتی ہیں۔

(۱) یا استدراک کے بعد کا جملہ جملہ اولی کا مخالف ہوتا ہے جیسے ما زید قائماً ولکنہ شارب (زید کھڑا نہیں لیکن وہ پینے والا ہے) مگر اسکی نسبت تو نحوی لا یجوز ذلک (یہ جائز نہیں) کا فتویٰ دیتے ہیں۔ اور قرآن کریم لو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً (اگر خدا کے سوا کسی اور کے پاس سے ہوتا تو لوگ اسمیں بہت اختلاف پاتے) کہکر رد فرماتا ہے

(۲) یا جملہ ثانیہ جملہ اولی کی ضد ہوتا ہے جیسے ما ھذا ابیض ولکنہ اسود (یہ سفید نہیں ولیکن سیاہ ہے) مگر اس آیت میں پہلا جملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم ابوت رجالی کا مظہر ہے اور دوسرا جملہ آنحضرت کی ذات میں وجود رسالت کا مثبت ہے عدم ابوت رجالی اور وجود رسالت میں کسی قسم کا تضاد نہیں بعض رسول ابو الرجال بھی تھے

بعض نہیں بھی تھے۔

(۳) یا جملہ ثانیہ جملہ اولی کا مناقض ہوتا ہے جیسے ما ھذا ساکنا ولکنہ متحرک (یہ ساکن نہیں متحرک ہے) مگر ایک سطحی خیال کا انسان کہدیگا اسمیں تو مناقضت بھی نہیں لیکن کلمہ استدراک یعنی (ولکن) خواہاں ہے کہ اگر ان دونوں جملوں میں تخالف بھی نہیں۔ تضاد بھی نہیں تو مناقضت ضرور ہونی چاہئے ورنہ (ولکن) کا کلمہ بیکار جائے گا۔ چونکہ خدا تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں فصاحت وبلاغت کوٹ کوٹ کر بھردی ہے۔ اس حکیم علی الاطلاق نے نہایت ابلغ طریقہ سے ایک قسم کی صورت تناقض بیان فرماکر احسن پیرایہ سے اسکو رفع بھی کردیا ہے۔

صورت تناقض یہ ہے کہ پہلے جملہ کا مفہوم یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ابو الرجال نہیں ہیں۔ دوسرے جملہ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کے رسول ہیں اور ہر رسول اپنی امت کا باپ ہوتا ہے قال مجاھد کل رسول ابو امتہ۔ پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی ابو امت ہوئے لہذا جملہ سابقہ اور جملہ لاحقہ میں باعتبار اتحاد محمول مناقضت پیدا ہوگئی کہ آپ ابو امتہ ہیں بھی اور نہیں بھی ہیں اور کلمہ استدراک اسی کا خواہاں تھا لابدان تقدمھا کلام مناقض لما بعدھا یعنی (ولکن) کے پہلے کلام سے اس کے بعد کا کلام مناقض ہونا ضروری ہے لیکن چونکہ اجتماع نقیضین ذات واحد میں محال ہے اسلئے خدا تعالیٰ نے ما کان محمد ابا احد من رجالکم کے بعد ایسا کلام معجز نظام ارشاد فرمایا جو بوجہ اختلاف اعتبارین مناقض کلام اول نہیں۔ کلام اول میں نفی ابوت آنحضرت باعتبار جسمانیت ہے اور کلام ثانی میں اثبات ابوت آنحضرت باعتبار روحانیت ہے اور دونو کلام بوجہ اختلاف اعتبارین مناقض نہیں ہیں۔ بیشک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باعتبار جسمانیت ابو الرجال نہیں تھے ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولیکن باعتبار روحانیت ابو الرجال تھے۔ ولکن رسول اللہ وکل رسول ابو امتہ۔

چونکہ ما کان محمد ابا احد من رجالکم سے نفی مطلقہ ابوت رجالی متبادر فی الذہن ہوتی تھی کیونکہ روحانیت کی قید اس کے ساتھ نہیں تھی اور یہی مافات تھی۔ لہذا اس وہم کے

رفع کرنے کے لئے کلمہ استدراک ولکن اور اس مافات کے تدارک کے واسطے رسول اللہ ارشاد ہُوا یعنے ولیکن آپ ان رجال کے روحانی باپ ہیں۔ قنوی لکھتا ہے وکل رسول ابوامتہ لا مطلقًا بل من حیث انہ شفیق ناصح لہم واجب التوقیر والطاعۃ علیہم (ہر ایک رسول اپنی امت کا باپ ہوتا ہے مطلق باپ نہیں ہوتا بلکہ بحیثیت مہربانی اور انکی خیر خواہی کے باپ ہوتا ہے جس کی توقیر اور اطاعت ان پر واجب ہوتی ہے۔

اب چونکہ چوتھی اور پانچویں شرط بھی اس آیت میں متحقق ہو گئی اسلئے ثابت ہو گیا کہ (ولکن) اس آیت میں مجرد معنے استدراک کے لئے ہے نہ تاکید کے لئے اور نہ تاکید مع الاستدراک کے لئے۔

(۲) دوسری قرأت اسکی (ولکنْ) تسکین نون کے ساتھ ہے اور یہی قرأت مشہور ہو یہ اپنے مابعد کے اسم میں کچھ بھی عمل نہیں کرتا۔ بلکہ اس اسم میں اس کے بعد کا فعل اثر کرتا ہے خدا تعالےٰ فرماتا ہے ولکن الناس انفسہم یظلمون۔ اور دوسری آیت میں ہے۔ ولکن اللہ رمی۔ تیسری آیت میں ہے۔ ولکن الشیاطین کفروا دیکھو یظلمون نے الناس کو۔ اور اسم اللہ کو رمی نے اور کفروا نے الشیاطین کو رفع دیا ہے صاحب لسان العرب لکھتا ہے رفعت ھٰذہ الاحرف بالافاعیل التی بعدھا (یہ اسماء اپنے مابعد کی فعلوں کی وجہ سے مرفوع ہیں)

اور اس آیت میں (ولکن) کے بعد (کان) مضمر ہے جس نے (رسول اللہ) کو نصب دیا ہے کیونکہ ماکان محمد ابا احد پر معطوف ہے اور اگر رفع دیجائے جیسے کہ دوسری قرأت میں ہے تو (ھو) مضمر نکالنا پڑتا ہے اسکی نظیر قرآن کریم کی یہ دوسری آیت ہے ماکان ھٰذا القرآن یفتری من دون اللہ ولکن تصدیق رفع سے اور دوسری قرأت میں نصب سے روایت ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب (لکن) جملہ پر جملہ کے عطف کے واسطے آتا ہے تو اسوقت کلمہ (بل) کے معنے دیتا ہے الاتری انک تقول لم یقم اخوک بل قام ابوک (کیا تو نہیں دیکھتا کہ تو کہا کرتا ہے۔ کہ تیرا بھائی نہیں اٹھا بلکہ تیرا باپ اٹھا ہے) اور اسی طرح سے یہ بھی کہا کرتا ہے کہ تیرا بھائی نہیں اٹھا لیکن تیرا باپ اٹھا ہے اور ان دونوں فقروں کے معنے ایک ہی ہیں

پس اسی طرح سے اس آیت میں (لکن) بھی کلمہ بل کے معنی دیتا ہے نہ استدراک کے مگر یہ اس صورت میں ہے جب (ولکن) کے ساتھ حرف واؤ نہ ہو۔ چنانچہ لسان العرب میں ہے فاذا قالوا (ولکن) فادخلوا الواو تباعدت من بل اذلم تصلح فی بل الواؤ (جب لکن پر واؤ لگا کر (ولکن) کہیں تو کلمہ (بل) سے دور ہو جاتا ہے کیونکہ کلمہ (بل) کے ساتھ واؤ کا لانا ٹھیک نہیں ہے)

اور اسی طرح سے جب اس پر واؤ آجائے تو عاطفہ کے معنے بھی نہیں دیتا۔ لسان العرب میں ہے خفیفۃ باصل الوضع فان ولیہا الواؤ فہی حرف ابتداء لمجرد افادۃ الاستدراک ولیست عاطفۃ (ولکن) خفیفہ اصل وضع میں اگر اسکے بعد جملہ ہو تو حرف ابتداء ہے مجرد افادہ استدراک کے لئے اور عاطفہ نہیں ہے کیونکہ عاطفہ حرف واؤ ہے ابن مالک کہتا ہے لکن غیر عاطفۃ والواؤ عاطفۃ لجملۃ حذف بعضہا علی جملۃ صرح بجمیعہا قال فالتقدیر فی نحو قام زید ولکن عمرو ولکن قام عمرو وفی ولکن رسول اللہ ولکن کان رسول اللہ (لکن) غیر عاطفہ اور حرف (واؤ) عاطفہ ہوتا ہے ایسے جملہ کے واسطے جس کا کچھ حصہ حذف کیا گیا ہو ایسے جملہ پر جس کے تمام حصوں کی صراحت کی گئی ہو۔ ماقام زید ولکن عمرو (زید نہیں اٹھا ولیکن عمرو) میں تقدیر عبارت اس طرح پر ہے ماقام زید ولکن کان عمرو۔ اسی طرح ولکن رسول اللہ میں تقدیر عبارت ولکن کان رسول اللہ ہے۔

چونکہ اس آیت کریمہ میں (ولکن) واؤ عاطفہ کے ساتھ ہے اسلئے مجرد استدراک کے معنی دیتا ہے (بل) کے معنے نہیں دیتا۔

رسول اللہ

بعض کے نزدیک (ولکنّ) مشددہ کا اسم منصوب ہے اور اسکی خبر محذوف ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے ولکنّ رسول اللہ من عرفتم انہ لم یعش لہ ولد ذکر (ولیکن اللہ کا رسول ہے جس کی نسبت تم جانتے ہو کہ اسکی نرینہ اولاد زندہ نہیں رہی) (دیکھو بیضاوی)

اور بعض کے نزدیک چونکہ پہلے جملہ پر اس کا عطف ہے اور (ولکن) مخففہ ہے اور کان اسکے بعد

محذوف ہے اسلئے بتکریر کان جملہ ناقصہ معطوفہ ہے اور رسول اللہ (کان) کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اور تقدیر عبارت اس طرح پر ہے ولکن محمد رسول اللہ۔

اور بعض کے نزدیک بتقدیر (ھو) جملہ مستانفہ ہے اور مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور تقدیر کلام یہ ہے ولکن ھو رسول اللہ

بہر حال کلام اول میں جو امر مافات ہے اسکے تدارک کے لئے آیا ہے ماکان محمد ابا احد من رجالکم ظاہر کرتا ہے کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) تم مردوں میں سے کسی کا باپ نہیں۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب باپ نہیں تو پھر ان لوگوں سے انکا تعلق کیا ہے سو خدا تعالےٰ نے رسول اللہ فرما کر لوگوں سے انکا تعلق ظاہر فرما دیا کہ وہ اللہ کا رسول ہے اور تم اسکی امت ہو جو تعلق ہر رسول کا اپنی امت سے ہوتا ہے وہی تعلق اسکا بھی تم سے ہے۔ رسول کا تعلق امت سے کیا ہوتا ہے سو ظاہر ہے کہ وہ تمام امت کی روحانی تربیت کرتا ہے اور بدیں وجہ وہ امت کا روحانی باپ ہوتا ہے لہٰذا خدا تعالےٰ نے رسول اللہ کہکر ظاہر کر دیا کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم بھی بوجہ رسول اللہ ہونے کے تمہارا روحانی ابو المومنین ہے پس اس آیت میں رسول اللہ قائم مقام ابو المومنین ہے۔

لیکن بعض علمائے ظواہر اس سے ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔ وفی الروضۃ لایجوز ان یقال ابو المؤمنین بظاہر الایۃ۔ روضہ میں ہے کہ نظر بظاہر آیت آنحضرت کو ابو المؤمنین کہنا جائز نہیں اس پر قنوی لکھتا ہے ھٰذا عجب اذا المنفی حقیقۃ الابوۃ والمثبتۃ من حیث التوقیر فلا وجہ لانکار کان المعلم ابو المتعلّم من حیث یجب علیہ الطاعۃ والاحترام فماظنّك بانبیاء علیہم السلام۔ یہ نہایت تعجب انگیز بات ہے کیونکہ اس آیت کریمہ میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ابوت حقیقی کی نفی ہے اور آنحضرت کی ابوت من حیث التوقیر ایک ثابت شدہ امر ہے جس میں کسی قسم کے انکار کی گنجایش نہیں۔ کیونکہ آپ معلم کتاب اللہ وحکمت اور مزکی نفوس نوع انسانی ہیں۔ ھو الذی بعث فی الامیّین رسولا منہم یتلوا علیہم اٰیاتہٖ ویزکیہم ویعلمہم الکتٰب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلٰل مبین (وہی ہے جس نے امیوں میں انہیں میں سے ایک رسول برپا کیا ہے جو خدا کی آیتیں ان کو پڑھکر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے

اور خدا کی کتاب اور حکمت ان کو سکھاتا ہے اگرچہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

پس جبکہ معلم متعلم کا باپ اس حیثیت سے ہوتا ہے کہ متعلم پر اسکی اطاعت اور احترام واجب ہے تو کیا انبیاء کرام علیہم السلام کی نسبت کچھ اور گمان کیا جا سکتا ہے کہ ان کو بوجہ احترام ابو المومنین نہ کہا جائے اگر یہ خطاب سرور عالم کی ذات کے متعلق جائز نہ ہوتا تو صحابہ کرام مندرجہ ذیل کی احادیثیوں روایت فرماتے۔

(۱) حدثنا ابن وکیع قال حدثنا حسن ابن علی عن ابی موسیٰ اسرائیل ابن موسیٰ قال الحسن فی القرأۃ الاولی النبیّ اولی بالمؤمنین من انفسہم وازواجہ امہاتہم وھو اب لہم (اخرجہ ابن جریر) ابن وکیع نے ہم سے بیان کیا ہے کہ حسن ابن علی نے ابو موسیٰ اسرائیل ابن موسیٰ سے ہمارے پاس روایت کی ہے کہ حسن بصری کہتے تھے کہ پہلی قرأت میں آیا ہے۔ کہ نبی سی لگاؤ ہے ایمان والوں کا زیادہ اپنی جان سے اور اسکی بیویاں ان کی مائیں ہیں اور وہ ان کے لئے باپ ہے۔

(۲) عن قتادہ قال بعض القرأۃ النبی اولیٰ بالمؤمنین انفسہم وھو اب لہم وازواجہ امہاتہم (قتادہ کہتا ہے کہ ایک قرأت میں ہے نبی سے ایمان والوں کو زیادہ لگاؤ ہے۔ اور وہ ان کے لئے باپ ہے اور اسکی بیویاں انکی مائیں ہیں (ابن جریر)

(۳) اخرج عبد الرزاق وسعید ابن منصور واسحٰق ابن راھویہ وابن المنذر والبیھقی عن بجالہ قال مر عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ بغلام وھو یقرء فی المصحف النبی اولی بالمومنین من انفسہم وھو اب لہم وازواجہ امہاتہم (الدر المنثور) (عبد الرزاق اور سعید ابن منصور اور اسحٰق ابن راہویہ اور ابن المنذر اور بیہقی بجالہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ ایک لڑکے کے پاس سے ہو کر گذرے وہ قرآن کریم پڑھ رہا تھا۔ کہ نبی مومنوں کے ساتھ انکی جان سے زیادہ محبت کرنے والا ہے اور وہ ان کا باپ ہے اور اسکی بیویاں انکی مائیں ہیں۔

(۴) اخرج الفریابی وابن مردویہ والحاکم والبیھقی فی سننہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ کان یقرء ھٰذہ الایۃ۔ النبی اولی بالمومنین من انفسہم وھو اب لہم

وازواجہ امہاتہم (الدر المنثور) وفتح البیان فریابی اور ابن مردویہ اور حاکم اور بیہقی اپنی سنن میں ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اس آیت کو اس طرح پڑھا کرتے تھے کہ نبی مومنوں کے ساتھ ان کی جان سے زیادہ محبت کرنے والا ہے اور وہ ان کے لئے باپ ہے اور اسکی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔

(۵) اخرج الفریابی وابن ابی شیبہ وابن جریر وابن ابی حاتم عن مجاھد قرأ النبی اولی بالمومنین من انفسہم وازواجہ امہاتہم وھو اب لہم (الدر المنثور) قال مجاھد کل نبی ابو امتہ (فتح البیان) فریابی اور ابن ابی شیبہ اور ابن جریر اور ابن ابی حاتم مجاہد سے روایت کرتے ہیں کہ اسنے اس آیت کو اس طرح سے پڑھا کہ نبی مومنوں کے ساتھ اسکی جان سے زیادہ محبت کرنے والا ہے۔ اور اسکی بیویاں انکی مائیں ہیں اور وہ ان کا باپ ہے مجاہد کہتا ہے کہ ہر نبی اپنی امت کا باپ ہوتا ہے۔

(۶) اخرج ابن ابی حاتم عن عکرمہ قال کان فی الحرف الاول النبیّ اولی بالمؤمنین من انفسہم وازواجہ امہاتہم وھو اب لہم (الدر المنثور) ابن ابی حاتم عکرمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کرتا ہے کہ پہلی قرأت میں اس طرح پر تھا نبی مومنوں کے ساتھ ان کی جان سے زیادہ محبت کرنے والا ہے اور اسکی بیویاں انکی مائیں ہیں۔ اور وہ انکے لئے باپ ہے۔

(۷) وفی قرأۃ ابن مسعود النبی اولی بالمؤمنین من انفسہم وھو اب لہم (فتح البیان) (حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی قرأت میں ہے کہ نبی مومنوں کے ساتھ انکی جان سے زیادہ محبت رکھنے والا ہے اور وہ ان کا باپ ہے۔

(۸) عن الباقر والصادق قرءلوا (زواجہ امہاتہم وھو اب لہم قال القمی نزلت وھو اب لہم (صافی) امام باقر اور جعفر صادق رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ دونوں صاحب ازواجہ امہاتہم کے بعد ھو اب لہم پڑھا کرتے تھے قمی کا بیان ہے کہ ھو اب لہم کی آیت منزل من اللہ ہے

(۹) عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انّما انا لکم بمنزلۃ الوالد اعلمکم مالم تکونوا تعلمون (تفسیر ابن کثیر) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوا اسکے نہیں کہ میں تمہارے لئے بمنزلہ والد ہوں

تم کو وہ باتیں سکھاتا ہوں جو تم نہیں جانتے تھے۔

جب کتاب اللہ اور کتاب رسول سے حضور کا روحانی ابو المؤمنین ہونا ثابت ہے۔ تو ایک شخص کے لایجوز کہنے پر اعتنا نہیں کیا جاتا۔

پس اس آیت کریمہ میں رسول اللہ کنایتاً اپنے لازم معانی روحانی ابو المومنین کے مفہوم کو ادا کرتا ہے الکنایۃ ابلغ من الصراحۃ۔

اور اگر روحانی ابو المومنین کے معنے نہ لئے جائیں تو اور کوئی امر تدارک مافات نہیں ہو سکتا ظاہر ہے کہ ابوت روحانی وہ ذی شان ابوت ہے جو معلّم اور متعلّم مرشد اور مسترشد نبی اور امت کے درمیان قائم ہوتی ہے اور یہی وہ عظیم الشان ابوت ہے کہ جس کو تمام فلاسفہ ابوت جسمانی کے تمام اقسام سے ترجیح دیتے چلے آئے ہیں والد مربی جسم معلّم مربی روح ہوتا ہے جس قدر روح کو جسم پر ترجیح ہے اسی قدر معلم کو والد پر فوقیت حاصل ہے۔ یہی وہ روحانی ابوت تھی جس کی وجہ سے خدا تبارک وتعالیٰ نے جناب رسول کریم روحنا فداہ کے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو امہات المومنین قرار دے کر اس روحانی باپ کے انتقال کے بعد اسکے روحانی فرزندوں پر ولا تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابداً ان ذٰلکم کان عند اللہ عظیماً (اسکی بیویوں سے اس کے بعد کبھی بھی تم نے نکاح نہ کرنا تحقیق یہ بات اللہ کے نزدیک بڑی ہے) فرما کر حرام مؤبّد قرار دیا ہے لیکن اس آیت میں رسول اللہ ارشاد ہونے سے تو سید ولد آدم صلے اللہ علیہ وسلّم دیگر رسولوں کے ہم مرتبہ ٹھہرتے ہیں قال النسفی کل رسول ابو امتہ فیما یرجع الی وجوب التوقیر والتعظیم لہ علیہم ووجوب الشفقۃ والنصیحۃ لہم علیہم (فتح البیان) (نسفی کہتا ہے کہ ہر رسول اپنی امت کا باپ ہوتا ہے اس امر میں کہ اسکی توقیر اور تعظیم امت پر اور امت کی شفقت اور نصیحت اس پر واجب ہے) پس جناب رسول کریم بھی اپنی امت کے روحانی باپ اور دیگر رسول بھی اپنی اپنی امتوں کے روحانی باپ لہٰذا خدا تعالےٰ نے چاہا کہ سید السادات علیہ الصّلوٰۃ والسلام کی خاص فضیلت کو جو دیگر انبیاء کرام علیہم السلام سے نرالی ہے اس آیت میں ظاہر فرمائے۔ اس لئے اس کو

وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ

ارشاد فرما کر ہویدا کیا۔ اب اسکے یہ معنی ہوئے کہ محمد تم مردوں میں سے کسی کا جسمانی باپ نہیں۔ ولیکن اللہ کا رسول ہے یعنے روحانی ابو المؤمنین اور خاتم النبیّین ہے اب وخاتم النبیین کے معنے معلوم کرنے کے لئے چار باتوں پر غور کرنا ضروری ہے۔

(۱) حرف واؤ یہاں کیا فائدہ دیتا ہے (۲) خاتم کے یہاں کیا معنے ہو سکتے ہیں

(۳) النبیّین میں الف لام کیسا ہے (۴) نبی کے کیا معنے ہیں؟

و

یہ حرف حرف عطف ہے اور حرف عطف دو اسموں یا دو فعلوں یا دو جملوں کے درمیان جمع کے لئے آتا ہے رضی لکھتا ہے فالواو للجمع۔ اگر واؤ نہ ہو تو اسموں یا دو فعلوں یا دو جملوں کا تعلق جمع جاتا رہتا ہے۔ اگر خرج زید دخل عمرو (گیا زید آیا عمرو) بغیر واؤ کے کہا جائے تو جس طرح کہ ان دونوں امروں کے وقوع میں قطع کا احتمال ہو سکتا ہے اسی طرح دونوں میں سے ایک کے واقع ہونے کا بھی احتمال ہو سکتا ہے لیکن واؤ سے ان دونوں کی جمعیت منصوص ہو جاتی ہے۔ (کما قالہ الرضی)

اب دیکھو اس آیت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کی تین قسم کی ابوت کا خدا تعالے نے ذکر کیا ہے (۱) ابوت جسمانی (۲) ابوت روحانی عامہ (۳) ابوت روحانی خاصہ۔ ابوّت جسمانی کی نفی ہے۔ ابوّت روحانی عامہ کا اثبات ہے۔ ابوّت روحانی خاصہ کا وعدہ ہے۔ ابوّت جسمانی میں آپکا اشتراک عام افراد نوع انسانی کے ساتھ تھا۔ خدا تعالےٰ نے ما کان محمد ابا احد من رّجالکم فرما کر اسکی نفی کردی۔ چونکہ ابوت جسمانی کی نفی کے ساتھ ابوت روحانی کی نفی کا بھی شائبہ ہوتا تھا۔ خدا تعالے نے ولکن رسول اللہ فرما کر اسکا اثبات کر دیا۔ لیکن اب اس ابوت روحانی میں عام افراد صنفی یعنے تمام انبیاء کے ساتھ آپ کی مساوات کا شائبہ ہوتا تھا اظہار خصوصیت کے لئے خاتم النبیّین فرما کر ابوت روحانی خاصہ یعنی روحانی ابو النبیّین ہونے کا وعدہ فرمایا۔

اب اس ثبوت کے لئے دیکھو نفی ابوت جسمانی کے بعد کلمہ استدراک ہے اور استدراک کے بعد فقرہ رسول اللہ ہے چونکہ ہر رسول اپنی امت کا روحانی باپ ہوتا ہے اسلئے یہ فقرہ روحانی ابو المؤمنین

کے مفہوم کو ظاہر کرتا ہے یہ مسلم امر ہے کہ مومنین سے انبیاء کا گروہ خاص ہوتا ہے اسلئے (واؤ) عاطفہ دیکر خاتم النبیّین کا فقرہ بیان فرمایا ہے۔

اب دیکھو رسول اللہ معطوف علیہ ہے اور واؤ عاطفہ اور النبیّین معطوف ہے اور بلاغت میں متعاطفین خواہ مفردین ہوں یا جملتین قبول عطف بالواؤ کی شرط یہ ہے کہ انمیں ایک جہت جامع ہو جیسے زید یکتب و یشعر (زید لکھتا ہے اور شعر کہتا ہے) دیکھو کتابت اور شعر میں تناسب ہے اور تضاد بھی ایک قسم کی جہت جامع ہوا کرتی ہے جیسے زید یعطی و یمنع (زید دیتا ہے اور روکتا ہے) اگر متعاطفین میں جہت جامع نہ ہو تو متعاطفین کا جمع کرنا ایسا ہے جیسے جمع بین الضب والنون۔ ابو تمام جیسے بالغ الکلام شاعر سے اس شعر میں کسقدر چوک ہو گئی ہے [1]

لا والذی ھو عالم ان النوی ∴ صبر و ان ابا الحسین کریم

(اس خدا کی قسم جو بھیدوں کا جاننے والا ہے کہ محبوب کی جدائی ایلوے کی طرح تلخ ہے اور ابو الحسین کریم ہے) یعنی خدا جانتا ہے کہ جدائی ایلوا ہے اور ابو الحسین سخی ہے۔ ابو الحسین کے کرم اور ایلوے میں کوئی بھی مناسبت نہیں۔ پس معطوف کو معطوف علیہ کے ساتھ ملانے میں باوجود مغایرت کے مناسبت تامہ کا ہونا ضروری ہے کان العطف یقتضی مغایرۃ من جھۃ و مناسبۃ تامۃ من جھت۔ اور اگر مناسبت نہ ہو تو عطف صحیح نہیں ہوتا جیسے زید طویل القد و نائم

اب دیکھو ولکن رسول اللہ اور وخاتم النبیّین میں واؤ عاطفہ ہے اور عطف مقتضی ہے کہ متعاطفین میں ایک جہت سے مغایرت اور ایک جہت سے مناسبہ تامہ ہو۔ اوّل۔ اس امر کو تلاش کرنا ضروری ہے کہ رسول اللہ اور خاتم النبیّین میں مناسبت تامہ کیا ہے۔ لہٰذا غرض نزول آیت پر غور کرنا چاہیئے اور غرض نزول آیت یہ ہے۔ کہ کفار قریش کا مقولہ تھا لا فخر لمن لا ال لہ۔ جس کی نرینہ اولاد نہیں ہوتی تھی۔ اسپر ابتر ہونے کا عیب لگاتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اسی کریہ لفظ سے یاد کرتے تھے خدا تعالے

---

[1] ضب یعنے سوسمار صحرائی جانور ہے پانی میں نہیں رہ سکتا (نون) مچھلی صحرا میں نہیں رہ سکتی۔ جہاں دو بے جوڑ باتیں جمع ہوں تو کہتے ہیں جمع بین الضب والنون

کو ان کے عیب دھرنے کے مقابل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا فخر لوگوں پر ظاہر کرنا مقصود تھا اسلئے ماکان محمد ابا احد من رجالکم کے بعد ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین ارشاد فرمایا کہ تم جو ہمارے برگزیدہ رسول کی نسبت اسکی جسمانی اولاد نہ ہونے کی وجہ سے ابتر ہونے کا عیب لگاتے ہو۔ اور یہ خیال کرتے ہو۔ اذا مات انقطع ذکرہ (جب مر جائیگا تو کوئی اسکا ذکر نہیں کریگا) جسمانی اولاد سے تو ذکر چلتا بھی ہے اور نہیں بھی چلتا۔ لو تم جس کو باعث ذکر اور سرمایۂ فخر سمجھتے ہو۔ وہ چیز اپنے رسول سے لے لیتے ہیں تاکہ تم کو یہ گمان نہ ہو کہ اس رسول کا ذکر اسکی نرینہ اولاد سے چلا ہے یہ تو اللہ کا رسول ہے اور اللہ کے رسول کا ذکر اسکی روحانی اولاد سے چلا کرتا ہے۔ اس رسول کا ذکر بھی اسکی روحانی اولاد سے چلیگا۔

آدم علیہ السلام کی طرف دیکھو کہ باوجود اسکے کہ اتنی نرینہ اولاد انکے سامنے موجود تھی۔ ایک ہابیل کے مرنے پر کس قدر انہوں نے گریہ و بکا کیا تھا۔

پھر حضرت نوح علیہ السلام کی طرف خیال کرو کہ باوجود سام حام یافث جیسے رشید فرزندوں کے موجود ہونے کے جب کنعان جیسا نالائق فرزند نافرمانی اور عصیان کی وجہ سے ڈوب گیا تو رب ان ابنی من اھلی کی پکار مچانے لگ گئے۔ دور کیوں جاتے ہو۔ حضرت یعقوب علیہ السلام ہی کا حال پڑھکر دیکھ لو۔ کہ ان کے بارہ نوجوان پہلوان بیٹوں میں سے جب یوسفؑ اس کی آنکھوں سے اوجھل ہو گیا تو ہمیشہ یا اسفی علی یوسف پکارتے رہے اور حزن سے اسکی آنکھیں روتے روتے سفید ہو گئیں۔ وابیضت عیناہ من الحزن وھو کظیم۔

مگر اس رسول کی طرف تو دیکھو کہ اسکی نرینہ اولاد عبد اللہ فوت ہو گیا قاسم نے انتقال کی ابراہیم راہی آخرت ہو گیا۔ طیب جنت میں جا بسا۔ طاہر آخرت کو سدھارا۔ الغرض نہ جوانی کی نرینہ اولاد رہی نہ بڑھاپے کی ٹیک رہی۔ ہر ایک کے مرنے پر تم ابتر کا طعنہ دیتے رہے۔ اولاد بھی وہ اولاد مری جو ولو عاش لکان صدیقاً نبیاً ہو سکتے تھے مگر رحمت ہو اس اولوالعزم فخر رسل پر کہ کس صبر اور کس استقلال کے ساتھ یہ ہماری قضا پر راضی رہا ہے بتقاضائے فطرت انسانی العین تدمع والقلب یحزن کہکر خاموش رہا اور اسپر بار بار کے تمہارے دلخراش طعنے سہتا رہا جو کسی رسول نے نہیں سہے تھے اسلئے اسکے صبر کا اجر بہ نسبت دوسرے

رسولوں کے زیادہ دیا گیا ہے کہ وہ صرف ابوالمومنین ہی تھے اور یہ ابو النبیین بھی ہے۔

الغرض اس آیت میں کفار قریش کے اس اعتراض کا رد ہے جو آنحضرت پر ابتر ہونیکا عیب لگاتے تھے اور اگر یہ اعتراض ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین کہکر نہ رد کیا جاتا تو ماکان محمد ابا احد من رجالکم سے اس اعتراض کی تائید ہوتی تھی۔ حاصلکلام اس تائید کے وہم کے دور کرنے کے لئے کلمہ استدراک ولکن کے بعد رسول اللہ وخاتم النبیین آیا ہے۔ جو ابوالمومنین اور ابو النبیین کے مفہوم کو ادا کرتا ہے۔

اس آیت میں اول النبیین یا اوسط النبیین یا آخر النبیین کی نسبت نہ کوئی وہم ہوتا ہے نہ کوئی اعتراض ہے نہ کوئی تائیدی کنایہ ہے۔ کہ جو خاتم النبیین کے معنے آخر النبیین لینے پر مجبور کرتا ہو۔ نہ تقدم بالزمان بالذات باعث شرف ہے نہ تاخر بالزمان۔ بلکہ تقدم بالشرف بالذات باعث شرف ہے ویسے ہی روحانی ابو النبیین ہونا بھی نبیین پر باعث تقدم بالشرف ہے پس واؤ عاطفہ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دو تقدم بالشرف اس آیت میں جمع کئے ہیں اور خاتم النبیین کے معنے آخر النبیین کے ماننے سے آنحضرت کا محض ایک تقدم بالشرف یعنے ابوالمومنین ہونا باقی رہ جاتا ہے اور ابو النبیین ہونے کا شرف اڑ جاتا ہے۔ صدر میں بیان ہو چکا ہے کہ رسول کا مفہوم ابوالمومنین ہے اور رسول اللہ معطوف علیہ ہے پس خاتم النبیین میں جو کہ معطوف ہے کوئی بات ابوالمومنین ہی کے قریب ہونی چاہئے تاکہ مناسبت بین المتعاطفین متحقق ہو۔ اور اگر مناسبت تامہ بین المتعاطفین نہ ہو تو جمع بین المتعاطفین کی صورت جمع بین النصب والنون کی سی ہو جائے گی رسول اللہ یعنے روحانی ابوالمومنین ہونا تقدم بالشرف ہے اسکی مناسبت نہ تقدم بالزمان سے ہے۔ نہ تقدم بالعلیۃ سے نہ تقدم بالمکان سے اور نہ تاخر بالزمان سے۔ یا یوں کہو کہ روحانی ابوالمومنین کو تاخر زمانی سے کوئی مناسبت نہیں اور روحانی ابوالمومنین آخر کو روحانی ابوالمومنین اول پر بالذات کچھ بھی فضیلت حاصل نہیں بلکہ روحانی ابوالمومنین اول کو تقدم بالزمان حاصل ہے کالفضل للمتقدم۔

روحانی ابوالمومنین کے مناسب حال تو ابوۃ النبیین ہے پس جبکہ معطوف علیہ کا مفہوم یعنے رسول اللہ کا مفہوم ابوۃ مومنین کو ظاہر کر رہا ہے تو معطوف علیہ کے ساتھ معطوف کی مناسبت تامہ

اسی وقت ہو سکتی ہے کہ معطوف کا مفہوم بجائے تاخر زمانی کے ابوالنبیین کا مفہوم ظاہر کرے۔

لیکن اسکے برخلاف خاتم النبیین کے معنی آخر النبیین لینے سے یہ مناسبت جاتی رہتی ہے پس اسقدر عالیشان مناسبت کو چھوڑ کر محض مغائرت کا پہلو اختیار کرنا کلام کے حسن پر عیب لگانا ہے۔ بلکہ دراصل اس آیت میں رسول اللہ وخاتم النبیین کا عطف بطریق ذکر الخاص بعد العام ہے۔ جیسے صاحب ایضاح لکھتا ہے کہ عام کے بعد خاص کا بطریق عطف ذکر کرنا خاص کی مزیت پر لوگوں کو آگاہ کرنے کی غرض سے ہوتا ہے گویا وہ خاص جنس عام سے نہیں ہے اور گویا اس خاص کو عام سے مغائر قرار دیا گیا ہے اور تغائر فی الوصف کے مرتبہ میں اتارا گیا ہے۔ ماحصل اسکا یہ ہے کہ جب تمام افراد عام سے از روئے اوصاف شریفہ ممتاز ہو جاتا ہے تو گویا وہ ایک ایسی شے بنجاتا ہے جو افراد عام کے مغائر ہوتی ہے اور اسکی حیثیت وہ پیدا ہو جاتی ہے کہ عام کو اسکے ساتھ اس حیثیت میں شمولیت نہیں ہوتی اور وہ عام کے حکم میں شمار نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے علی سبیل العطف اسکا ذکر کرنا صحیح ہوتا ہے کیونکہ عطف من وجہ مغائرت کا مقتضی ہے قرآن کریم میں ہے ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف پ۴ ع۲ (اور چاہیے کہ رہے تم میں ایک جماعت بلانے نیک کام کی طرف اور حکم کرتی رہے پسند بات کا ابن مالک اس آیت کی نسبت لکھتا ہے الدعاء الی الخیر اعم من الامر بالمعروف (امر بالمعروف کی نسبت دعوت الی الخیر عام ہے) دوسری آیت میں ہے من کان عدوا للہ وملئکتہ ورسلہ وجبریل ومیکال (جو شخص اللہ اور ملائکہ اور اسکے رسولوں اور جبریل اور میکائیل کا دشمن ہو) یہاں ملائکہ کے ذکر کے بعد حضرت جبریل وحضرت میکائیل علیہما السلام کا ذکر ملائکہ پر انکی مزیت اور کثرت فضیلت پر لوگوں کو آگاہ کرنے کی غرض سے ہے قرآن کریم میں تیسری آیت ہے حافظوا علی الصلوات والصلوٰة الوسطیٰ پ۲ ع۱ (خبردار ہو نمازوں اور بیچ والی نماز سے) بعض کہتے ہیں وہی صلوٰة العصر ہے صلوٰة وسطیٰ بہ نسبت دیگر صلوات کی خاص ہے)

چوتھی آیت ہے لا تاخذہ سنة ولا نوم پ۳ ع۲ (اونگھ عام نیند خاص ہے) اسی طرح ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین میں تخصیص بعد التعمیم ہے اور اس آیت میں ذکر الخاص بعد العام بطریق العطف ہے۔

اسکو سلوک سبیل الترقی کہتے ہیں جو محسنات معنویہ کلام میں سے ہے معطوف علیہ رسول اللہ میں تعمیم ہے کیونکہ رسول عام مومنین کا باپ ہوتا ہے اور معطوف یعنے خاتم النبیین میں تخصیص ہے کیونکہ انبیاء خاص مومنین ہوتے ہیں پس اسمیں تخصیص ہے اور آیت کی تفسیر یوں ہے ما کان محمد ابا جسمانیاً لاحد من رجالکم ولکن ابا روحانیاً للمومنین وابا روحانیاً للنبیین متعاطفین میں مناسبت باعتبار تعمیم اور مغائرت صرف باعتبار تخصیص ہے۔

اب یہ سوال کہ اگر رسول اللہ نہ کہا جاتا تو خاتم النبیین سے مطلب پورا ہو سکتا تھا یا نہیں؟

(الجواب) اگر محض ابا النبیین ہی کہا جاتا تو یہ وہم ہوتا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خاص مومنین یعنی انبیاء کے باپ ہیں شاید عامہ مومنین کے باپ نہیں یا آپکی امت کے تمام افراد انبیاء ہیں اور کوئی فرد نبوت سے خالی نہیں۔

اس وہم کے رفع کرنے کے لئے خدا تعالے نے اوّل رسول اللہ فرما کر عام مومنین کی ابوت بیان فرمائی اور اسکے بعد وخاتم النبیین فرما کر خاص مومنین یعنے ابوت انبیاء کا اظہار فرمایا۔ الغرض مناسبت تامہ بین المتعاطفین بوجہ عمومیت ابوت روحانی اور مغائرة بین المتعاطفین بوجہ خصوصیت ابوت روحانی ہے۔

اسکے برخلاف اگر خاتم النبیین فرما کر خدا تعالے نے کا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے تاخر زمانی کو بیان کرنا مقصود ہوتا تو یہ مقصود بغیر لانے جملہ رسول اللہ کے بھی حاصل ہو سکتا تھا کیونکہ خاتم النبیین کے مفہوم میں رسالت کے مفہوم کے ساتھ تاخر زمانی کا مفہوم بھی داخل ہو سکتا تھا جو خاتم النبیین ہے وہ بدرجہ اولیٰ رسول اللہ بھی ہے کیونکہ (خاتم النبیین) داخل زمرۂ نبیین ہے اس صورت میں معطوف علیہ (یعنے رسول اللہ) محض امر زائد رہتا۔

اب یہی وہ صورت جو مولوی محمد علی صاحب نے اِدھر اُدھر سے تلاش کر کے پیش کی ہے کہ (رسول اللہ) کا مفہوم تو ابوت روحانی مومنین پر دلالت کرتا ہے۔ اور (خاتم النبیین) محض تاخر زمانی جتاتا ہے یعنے آخری روحانی ابوالمومنین جس کے بعد کوئی دوسرا روحانی ابوالمومنین نہیں ہو سکتا۔

لیکن اس صورت میں بھی محض (خاتم النبیین) لاَنبی مع تاخر زمانی سے وہ مطلب

حاصل ہو سکتا تھا اور آیت کی صورت یہ ہونی چاہیے تھی ماکان محمد ابا احد من رّجالکم ولکن خاتم النّبیّین (محمد مردوں میں سے کسی کا باپ نہیں ولیکن آخری روحانی ابو المومنین ہے اور رسول اللہ کے لانے کے بغیر بھی یہ مطلب بخوبی ادا ہو سکتا تھا)

کیونکہ ان لوگوں کے معنی کے رُو سے (خاتم النّبیّین) کا مفہوم جیسا کہ تاخر زمانی پر دال ہے ویسا ہی نبوت پر بھی دال ہے کیونکہ آخری نبی انبیاء کے زمرہ میں داخل ہے خارج نہیں ہے اور ہر نبی اپنی امت کا باپ ہوتا ہے پس خاتم النّبیّین اپنی امت کا روحانی باپ بھی ہے اور آخری روحانی باپ بھی ہے اس صورت میں بھی معطوف علیہ کا لانا امر زائد ٹھہرتا ہے۔

اور اگر (خاتم النّبیّین) سے محض تاخر زمانی اور (رسول اللہ) سے ابوت روحانی کا مفہوم لیا جائے۔ اس صورت میں مغائرت تو ظاہر ہے مگر مناسبہ تامہ کا پہلو نہیں نکلتا۔ ماسوا اسکے خاتم النّبیّین کا مفہوم مشعر تاخر زمانی بھی مان لیا جاوے تو تاخر زمانی متضمن نفی نبوت آیندہ ہے کیونکہ آخر النّبیّین آپ اسی وقت ہو سکتے ہیں جب آنحضرت کے بعد کوئی نبی نہ آوے۔ اس صورت میں جس طرح ماکان محمد ابا احد من رّجالکم یعنے نفی ابوت جسمانی کے بعد حرف استدراک یعنے ولکن لاکر رسول اللہ سے اثبات ابوت روحانی کیا گیا ہے۔ اسی طرح اثبات ابوت روحانی کے بعد کلمہ استدراک ولکن لاکر خاتم النّبیّین سے نفی ابوت روحانی آیندہ نبی کی کرنے کی ضرورت تھی۔ اور آیت کا سیاق اس طرح پر ہوتا ولکن رسول اللہ ولکن خاتم النّبیّین لا نبی بعدہ۔ یعنے محمد تم مردوں میں سے کسی کا جسمانی باپ تو نہیں ہے ولیکن روحانی باپ ہے مگر آخری روحانی باپ ہے جس کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

کیونکہ جیسا ماکان محمد ابا احد من رّجالکم میں نفی ابوت جسمانی سے نفی ابوّت روحانی کا وہم ناشی ہوتا ہے اسکے رفع کے لئے کلمہ استدراک ولکن لایا گیا ہے اسی طرح ولکن رسول اللہ سے یہ وہم ناشی ہوتا ہے۔ کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم روحنا فداہ مومنین کے روحانی باپ ہوتے ہیں اور انبیاء بھی مومنین ہوتے ہیں تو شاید آپ انبیاء کے بھی روحانی باپ ہوں۔ پس اس وہم ناشی کے دُور کرنے کے لئے دوبارہ کلمہ استدراک کا لایا جانا ضروری تھا تاکہ معنی کی وضاحت ہو جاتی۔

لیکن آیت میں دوسرا کلمۂ استدراک موجود نہیں بلکہ خاتم النّبیّین کا عطف بالواوٗ رسول اللہ پر ہے اور واوٗ واوٗ جمع ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ متعاطفین من وجہ ایک مناسبت تامہ کے نیچے جمع ہوئے ہیں اور من وجہ مغائرت رکھتے ہیں پس وہ مناسبت اور مغائرت باعتبار عموم وخصوص ہے جیسا کہ صدر میں بیان ہو چکا ہے۔

ولکن رسول اللہ وخاتم النّبیّین کی باعتبار عمل واوٗ عطف کے تین صورتیں مختلف ہو سکتی ہیں۔

(الف) جیسا کہ علامہ جریر طبری لکھتا ہے۔ والنصب فیھما بتکریر کان ای کان محمد رسول اللہ وکان محمد خاتم النّبیّین۔

(ب) والرفع بمعنی الاستیناف ای ولکن ھو محمد رسول اللہ وھو خاتم النّبیّین

(ج) جملہ اولی بتکریر کان اور جملہ ثانیہ مستانفہ ولکن ای کان محمد رسول اللہ وھو خاتم النّبیّین۔

بعض لوگ اس تیسری صورت کو پیش کر کے کہتے ہیں کہ جملہ مستانفہ مضمون سابق سے کوئی تعلق نہیں رکھتا جملہ ولکن کان محمد رسول اللہ کا مضمون ابوت روحانی ہے اور وھو خاتم النّبیّین کا مضمون تاخر زمانی ہے کلمہ استدراک کے لانے کی اسوقت ضرورت تھی جب یہ جملہ مستانفہ نہ ہوتا۔

لیکن فن بلاغت میں تناسب جملتین محسنات میں محسوب ہے پہلے کو بتکریر کان جملہ فعلیہ اور دوسرے کو بتقدیر ھو جملہ مستانفہ اسمیہ کہنے سے حسن عطف جاتا رہتا ہے ایضاح میں ہے کہ لکن من جملۃ محسنات العطف بین الجملتین تناسب الجملتین بان تکونا متماثلین فی الاسمیۃ او فی الفعلیۃ (لیکن دو جملوں کے درمیان عطف کی خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ بھی ہے کہ دونوں اسمیہ اور فعلیہ ہونے میں ایک دوسرے کے مثل ہوں یعنے دونوں اسمیہ ہوں یا دونوں فعلیہ ہوں) پس پہلے کو فعلیہ اور دوسرے کو اسمیہ کہنے سے قرآن کریم کی اعلیٰ بلاغت جاتی رہتی ہے اسلئے مستحسن یہی ہے کہ پہلی دو صورتیں مانی جائیں یعنی فعلیہ کا عطف فعلیہ پر یا اسمیہ کا اسمیہ پر۔

اور اگر کہا جائے ان النحاۃ اختلفوا فی جواز عطف الجملہ الاسمیہ علی الفعلیۃ وعکسہ یعنی نحوی جملہ اسمیہ کے فعلیہ پر اور فعلیہ کے اسمیہ پر عطف کرنے کے جواز میں اختلاف رکھتے ہیں۔ اوّل

تو نحویوں کو اسکے جواز ہی میں اختلاف ہے پھر اگر اختلاف رفع بھی ہو جائے تو صورت جواز پیدا ہوتی ہی نہ صورت استحسان۔ ہم صورت استحسان کو چھوڑ کر صورت جواز کے پیچھے کیوں لگیں۔ علاوہ بریں اگر جائز بھی ہے جیسا کہ امالی میں ابن شجری لکھتا ہے ان الفعل المضارع یعطف علی اسم الفاعل و عکسہ نحو زید یتحدث وضاحك زید ضاحك و یتحدث وعطف اسم الفاعل علی فعل ماض لم یجز اذ لا ملازمة بینهما۔ (تحقیق فعل مضارع کا عطف اسم فاعل پر اور اسم فاعل کا فعل مضارع پر جائز ہے جیسے زید باتیں کرتا ہے اور ہنسنے والا ہے۔ اور ہنسنے والا ہے اور باتیں کرتا ہے اور اسم فاعل کا عطف ماضی پر جائز نہیں کیونکہ ان دونوں میں ملازمت نہیں ہے)

اب اگر جملہ رسول اللہ کو بتکریر کان جملہ فعلیہ مانا جائے اور جملہ مستانفہ اسمیہ کا اس پر عطف کیا جائے تو یہ جائز نہیں خاتم بالفتح کا تو اس پر عطف ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ اسم فاعل نہیں ہے اور اگر خاتم اسم فاعل مانا بھی جائے تو بھی صورت جواز نہیں پیدا ہوتی کیونکہ رسول اللہ بتکریر کان ہے اور کان فعل ماضی ہے ماضی پر اسم فاعل کا عطف جائز نہیں اذ لا ملازمة بینهما۔

اب ایک اور صورت ہے کہ ان عطف اسم الفاعل علی فعل ماض لم یجز اذ لا ملازمة بینهما الا اذا قربت الماضی من الحال بان تقرنه بقد۔ یعنی اسم فاعل کا عطف فعل ماضی پر جائز نہیں کیونکہ ان کے درمیان ملازمت نہیں مگر جبکہ فعل ماضی زمانہ حال کے قریب لفظ قد کے ساتھ ہو جیسے کہ ایک شاعر کا مصرعہ ہے ام صبی قد حبا او دارج۔ لیکن اسمیں رسول اللہ بتکریر کان تو ہے مگر لفظ قد اسپر نہیں ہے قد کان رسول اللہ نہیں ہے۔ لہٰذا یہ صورت بھی جواز عطف کی نہیں۔

بعض لوگ اسکے سوا ایک اور صورت پیش کرتے ہیں کہ نہیں جب اسم فاعل سے مراد ماضی ہو۔ تو اسوقت عطف کے لئے جواز کی صورت نکل آتی ہے جیسے ان المصدقین والمصدقات واقرضوا اللہ میں کیونکہ فعل ماضی اور اسم فاعل میں ملازمت پیدا ہو جاتی ہے خاتم النبیین ہے تو اسم فاعل مگر اس سے فعل ماضی مراد ہے۔

لیکن اس صورت سے بھی اسم فاعل کا عطف فعل ماضی پر جائز نہیں نکلتا کیونکہ ان المصدقین والمصدقات میں فعل ماضی کا عطف اسم فاعل پر ہے نہ فعل ماضی پر اسم فاعل کا اور فعل ماضی کا

عطف اسم فاعل پر قرآن کریم کی متعدد آیات سے ثابت ہے فالمغیرات صبحاً فاثرن به نقعا (پ ۳۰ س العادیات) اثرن کا عطف مغیرات پر ہے اسی لئے سہیلی لکھتا ہے یحسن عطف الفعل علی الاسم ویقبح عطف الاسم علی الفعل (فعل کا عطف اسم پر مستحسن ہے اور اسم کا عطف فعل پر قبیح ہے) کان رسول اللہ پر وخاتم النبیین کا عطف قبیح ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں نہیں علمائے بلاغت کی یہ باتیں نزول قرآن سے بعد کی بنائی ہوئی ہیں قرآن کریم ان کے قواعد کا پابند نہیں۔ دیکھو ان اللہ فالق الحب والنوی یخرج الحی من المیت ومخرج المیت من الحی میں مخرج اسم فاعل کا یخرج پر عطف ہے لیکن اول تو یہ فعل ماضی نہیں مضارع ہے۔ دوم زمخشری اسکی نسبت لکھتا ہے مخرج معطوف علی فالق الحب ویخرج المیت مبینة (مخرج کا عطف فالق الحب پر ہے اور جملہ ویخرج المیت مبینہ ہے۔

الغرض جبکہ ثابت ہے کہ اسم فاعل کا عطف ماضی پر ناجائز ہے تو یہ تیسری صورت بالکل جاتی رہی اور باقی دو ہی صورتیں رہ گئیں یعنی متعاطفین دونوں اسمیہ یا دونوں فعلیہ ہوں سو یہ صورت تناسب جملتین کی ہے کیونکہ تناسب الجملتین بان تکونا متماثلین فی الاسمیة وفی الفعلیة کو کہتے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں جیسا کہ صدر میں بیان ہو چکا ہے متعاطفین میں کیا ہی عمدہ تناسب موجود ہے کہ ایک مشعر ابوت مومنین ہے دوسرا متضمن ابوت نبیین ہے دونوں قسم کی ابوت کو واو عاطفہ نے جمع کیا ہے۔ جملہ ثانیہ اولیٰ کی تاکید بطور تاسیس ہے بدر الدین ابن مالک شرح الفیہ میں لکھتا ہے ان الجملة التاکیدیه قد توصل بعاطف یعنے جملہ تاکیدیہ کبھی حرف عاطف کے ساتھ ملایا جاتا ہے پس جس طرح سے جملہ رسول اللہ قائمقام ابو المومنین ہے اسی طرح سے جملہ خاتم النبیین قائمقام ابو النبیین ہے پہلے جملہ میں تعمیم ہے دوسرے میں تخصیص ہے۔ اس تخصیص بعد التعمیم کی غرض یہ بھی تھی کہ چونکہ یہود حضرت اسرائیل یعقوب علیہ السلام کو بوجہ اسکے کہ کثرت سے انبیاء آپکی ذریت میں ہوئے ہیں۔ جسمانی ابو الانبیاء اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جن کی نسل سے کوئی نبی نہیں ہوا مگر بوجہ اسکے کہ کثرت سے انبیاء

بنی اسرائیل ان کی شریعت کے تابع ہوئے ہیں گو خدا تعالےٰ نے تو تورات میں انہیں نہیں فرمایا مگر بزعم خود (خاتم النبیین) یعنے روحانی ابوالانبیاء خیال کرتے تھے مجمع البیان میں بہ ذیل آیت خاتم النبیّن لکھا ہے۔ ان الیھود یدعون فی موسیٰ مثل ذلک وھم مع ذلک یجوزون ان یکون بعدہ انبیاء یعنی یہود بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خاتم النبیّین ہی کہتے ہیں اور باوجود اس خاتم النبیّین کہنے کے حضرت موسیٰ کے بعد انبیاء کے مبعوث ہونے کے قائل ہیں چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے ساتھ مماثلت تھی اور خدا تعالےٰ نے بھی حضرت موسیٰ کی معرفت ارشاد فرمایا تھا۔ خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کریگا۔ استثنا باب ۱۸ اور قرآن کریم میں ہے وشھد شاھد من بنی اسرائیل علیٰ مثلہ فامن اور محققین نے اس آیت کی تفسیر یوں کی ہے وقیل ھو موسیٰ وشھادتہٗ مافی التوراۃ من نعت الرسول۔ اور مماثلت اس بات کی مقتضی تھی کہ حقیقی روحانی ابوالانبیاء کا چہرہ بمقابل ادعائی روحانی ابوالانبیاء کے دنیا کو دکھا دیا جائے اسلئے (رسول اللہ) کے بعد (خاتم النبیین) کا جملہ ارشاد ہوا۔ تاکہ یہود یہ نہ کہہ سکیں کہ حضرت موسیٰ تو خاتم النبیّین تھے۔ یہ نبی جب مثیل موسیٰ ہیں تو کیوں خاتم النبیّین نہیں۔

دنیز اگر محض رسول اللہ فرماکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے روحانی ابوالانبیاء ہونے کا اظہار نہ فرمایا جاتا تو چونکہ اکثر رسول باوجود امت کے روحانی ابوالمومنین ہونے کے جسمانی ابوالانبیاء بھی تھے جیسے حضرت اسحاق ویعقوب علیہم السلام حضرت کی فضیلت کا پلّہ ایک حصہ کم رہتا حضرت اسحاق ویعقوب روحانی ابوالمومنین اور جسمانی ابوالانبیاء۔ مگر آنحضرت نرے روحانی ابوالمومنین۔ لہذا اس کمی کو پورا کرنے بلکہ آپکا پلّہ فضیلت زیادہ کرنے کے لیے آپکو روحانی ابوالمومنین اور روحانی ابوالنبیّین کا درجہ عطا ہوا۔ پس واؤ عاطفہ نے آنحضرت کی ان دونوں فضیلتوں کو اس آیت میں جمع کیا ہے۔

خاتم

حسب تصریح کتب لغت (الختم) کے دو معنے ہیں (۱) مہر کرنا (۲) پورا کرنا جیسا کہ صراح اور منتہی الارب

بیھقی میں ہے الختم تمام گردانیدن ومہر کردن

یہ لفظ دونوں معنوں میں متعدی بنفسہ اور باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے آیا ہے۔ اس لئے اس مصدر کے اکثر مشتقات سے دونوں معنوں کا احتمال پیدا ہوتا رہتا ہے۔

مگر یہ نہیں کہ ان دونوں معنوں میں لزوم ہو یعنی جہاں کہیں مہر کرنے کے معنی ہوں۔ وہاں پورا کرنے کے معنے بھی پائے جائیں دیکھو الاختتام کے معنے بپایان بردن کے ہیں۔ مگر مہر کردن کے معنی میں مستعمل نہیں۔

اسی طرح التختم کے معنے انگشتری بر انگشت کردن کے ہیں مگر یہ لفظ بپایان بردن کے معنی نہیں دیتا۔ حالانکہ ان دونوں لفظوں کا مادہ ختم ہے جو کبھی مہر کردن اور کبھی بپایان بردن کے معنی دیتا ہے خیر یہ مثالیں تو مزید فیہ کی تھیں۔ جن میں جاکر لفظ کی صورت بدلنے کے ساتھ معنوں میں بھی تبدیلی ہو جاتی ہے۔

خود مجرد کی حالت میں دیکھو صلہ کے بدلنے سے معنے بھی بدل جاتے ہیں اور لفظ کی صورت میں فرق نہیں آتا ختم اللہ لہ بالخیر میں ختم کے معنے تمام گردانیدن کے ہیں نہ مہر کرنے کے۔ اور ختمّ اللہ علیٰ قلوبہم میں ختم کے معنی مہر کردن کے ہیں نہ تمام گردانیدن کے۔ پس (علیٰ) کے صلہ سے مہر کردن کے معنے ہیں چنانچہ ابوالبقاء اپنی کلیات میں لکھتا ہے الختم ھو یستعمل تارۃ متعدیاً بنفسہٖ واخریٰ بعلی۔ یعنی الختم کبھی متعدی بنفسہ اور کبھی علیٰ کے صلہ سے استعمال ہوتا ہے۔ اور جہاں کہیں صلہ نہ ہو یعنی متعدی بحرف علیٰ نہ ہو وہاں دونوں معنوں کا احتمال پیدا ہو سکتا ہے۔ صاحب لسان العرب نے اس لفظ کی الگ الگ دو جگہ گردان لکھی ہے ایک جگہ خَتَمَ یَخْتِمُہٗ خَتْماً وَخِتَاماً لکھکر اسکے معنے طبعہ یعنی مہر کردن کے لکھے ہیں۔

اور دوسری جگہ ختم الشیئ یختمہٗ ختماً اسکے معنے بلغ اٰخرہٖ کے یعنے تمام کردن وبپایان بردن کے تحریر کئے ہیں۔

چونکہ اکثر اس لفظ کے مشتقات میں بوجہ نہ ہونے حرف صلہ کے دونوں معنوں کا احتمال پایا جاتا ہے اسلئے ان آیات کے معانی بیان کرنے میں جن میں اس لفظ کے مشتقات میں

سے کوئی لفظ آگیا ہے اکثر مفسرین اور ارباب لغت نے اختلاف کیا ہے۔

چنانچہ یسقون من رحیق مختوم ختامه مسك (ان کو پلائی جاتی ہے شراب خالص کی گئی جس کی مہر جمتی ہے مشک پر) کی آیت میں لفظ ختام آیا ہے۔ اسکے معنے میں اکثر مفسّرین کا اختلاف ہے۔

چونکہ لغت میں لفظ ختام کے دو معنی ہیں (۱) اٰخر الشیئ یعنے کسی چیز کا پچھلا حصّہ جیسے صراح میں ہے قوله تعالٰی ختامه مسك ای اٰخره لان اٰخرما یجدون رائحة المسك (خدا کے قول میں ختامه مسك آیا ہے اسکے معنی آخر کے ہیں کیونکہ اس شراب طہور کے آخر میں مشک کی خوشبو پائینگے) اور صاحب تاج العروس انہی معنوں پر زور دیکر کہتا ہے وقول من قال یختم بالمسك ای یطبع فلیس بشیئ لان الشراب یجب ان یطیب فی نفسه فاما ختمه بالطیب فلیس مما یفید ولا ینفعه طیب خاتمه من لم یطب فی نفسه۔ یعنی جس شخص نے ختامه مسك کے یہ معنی کئے ہیں کہ اس پر مسک کی مہر کیجاویگی یہ معنی تو کچھ بھی نہیں ہیں کیونکہ شراب کے لئے تو اپنی ذات میں خوشبودار ہونا واجب ہے اور جو چیز فی حد ذاتہ خوشبودار نہ ہو۔ اسکے واسطے مہر کی خوشبو چنداں نفع رساں نہیں ہوتی۔ دوسرے معنے ختام کے وہ مٹی ہے جس پر مُہر لگائی جاتی ہے اور اہل عرب اس کو طین مختوم اور طین الختم کہتے ہیں۔ تاج العروس میں ہے الختام الطین یختم به علی الشیئ یقال ما ختامك طین ام شمع۔ یعنی ختام وہ مٹی ہے کہ اس سے کسی چیز پر مہر لگائی جاتی ہے عرب میں محاورہ ہے کہ تیرے مہر لگانے کی چیز مٹی ہے یا موم ہے۔

انہیں معنوں کو محفوظ رکھکر شاہ رفیع الدین صاحب اور شاہ عبد القادر صاحب نے اپنے اپنے ترجموں میں ختام کے معنے مہر کرنے کی چیز اور صاحب تفسیر حسینی نے مہر او بجائے گِل مشک است لکھا ہے اور انہیں معنوں کو علامہ ابن خلدون نے صحیح سمجھا ہے اور نہایت اور تمام کے معنوں کو غلط قرار دیا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے قد غلط من فسر هذا بالنهایة والتمام وقال لان اٰخرما یجدون فی شرابهم رایحة المسك ولیس المعنی علیه وانما هو من الختام الذی هو السداد لان الخمر یجعل لها فی الدن سداد الطین او القار یحفظها ویطیب عرفها وذوقها فبولغ فی وصف

خمر الجنة بان سدادها من المسك وهو اطیب عرفا وذوقا من القار والطین المعهودین فی الدنیا۔ یعنی ختام کے معنے جس نے نہایت اور تمام کے ساتھ تفسیر کرکے یہ کہا ہے کہ جنت کے لوگ اپنی شراب کے آخر میں مسک کی خوشبو پائینگے اس نے غلطی کھائی ہے اور یہ معنی ٹھیک نہیں کیونکہ ختام کے معنے اس آیت میں سداد یعنے ظرف کے دہان بند کے ہیں۔ اسواسطے کہ شراب کے مٹکے کے منہ کو مٹی یا قار سے بند کر دیتے ہیں تاکہ شراب کی بُو اڑ نہ جائے اور اُسکے مزہ میں فرق نہ آجائے اس آیت میں بہشتی شراب کی تعریف میں مبالغہ کیا گیا ہے کہ اسکے مٹکوں کا منہ مسک سے بند کیا جائیگا جس کی خوشبو دنیا کے مقرر کردہ دہان بند ظروف مٹی اور قار وغیرہ سے بدرجہا بہتر ہوگی۔

لفظ خاتم کا بھی یہی حال ہے چنانچہ ابن خلدون لکھتا ہے (۱) ان الخاتم قد یطلق علی الالة التی تجعل بالاصبع ومنه تختم اذا لبسه۔ یعنے لفظ خاتم کا اطلاق کبھی اس زیور پر کیا جاتا ہے جو انگلی میں پہنا جاتا ہے اور جب کوئی شخص انگلی میں پہنتا ہے تو عربی میں کہتے ہیں تختم اسنے انگوٹھی پہنی ہے۔

(۲) ویطلق علی النهایة والتمام ومنه ختمت الامر اذا بلغت اٰخره یعنے نہایت اور تمام پر بھی خاتم کا اطلاق ہوتا ہے جب کوئی شخص کسی کام کو پورا کرتا ہے تو ختمت الامر کہتا ہے۔

پھر اس آیت کی قرأت اور اعراب میں بھی اختلاف ہے۔

(۱) حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور حسن بصری اور امام عاصم رحمۃ اللہ علیہما خاتَم النبیّین بفتح التاء پڑھا کرتے تھے حضرت عثمان کے مصحف میں بھی یہی قرأت تھی۔

(۲) امام عاصم کے سوا دوسرے قاری خاتِم النبیّین بکسر التاء پڑھا کرتے تھے۔ قتادہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

(۳) حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ ولکن نبیًّا ختم النبیّین پڑھتے تھے (دیکھو تفسیر جریر و مدارک) اور بوجہ اعراب دو قسم کا اختلاف ہے

(۱) جمہور کے نزدیک ولکن رسول اللّٰہ وخاتم النبیّین میں نصب (زبر) بتکریر کان ہے۔ قال الجریر والقرأت النصب عندنا۔ جریر کہتا ہے ہم لوگ نصب ہی پڑھتے ہیں۔

(۲) لیکن بعض کے نزدیک ولکن رسول اللّٰہ وخاتم النبیّین میں رفع بمعنے الاستیناف ہو

یعنی ولکن هو رسول الله وخاتم النبیّن ہے (دیکھو تفسیر ابن جریر)

اسی طرح بر آیت خاتم النبیّین کے ارشاد ہونے کی غرض میں بھی اختلاف ہے۔

(۱) بعض مفسرین کا یہ خیال ہے کہ اگر خاتم النبیّین خدا تعالےٰ نہ فرماتا تو شائد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خلق اللہ کی نصیحت میں کوتاہی کر بیٹھتے اسلئے خدا تعالےٰ نے خاتم النبیّین فرما دیا تاکہ حضرت کو معلوم ہو جائے کہ اب میرے بعد کوئی نبی نہیں آئیگا۔ اب خلق اللہ کی نصیحت میں کوتاہی نہیں کرنی چاہئے اور اگر کوتاہی کی گئی تو پھر اس کی کوئی پورا نہیں کر سکیگا۔ چنانچہ تفسیر غرائب القرآن میں ہے لان النبی اذا علم ان بعده نبیاً آخر یترك بعض البیان دالارشاد الیه بخلاف ما لو علم ان ختم النبوة علیه۔

ان مفسرین کے زعم میں وہ انبیاء جن کے بعد دوسرے انبیاء آتے رہے ہیں نعوذ باللہ خلقت کی نصیحت میں کوتاہی کرتے رہے ہیں اور تبلیغ کا پورا حق نہیں ادا کر سکے اور ہمیشہ اپنے بعد آنے والے انبیاء پر ٹالتے چلے آئے ہیں خدا تعالےٰ نے ان انبیاء کی کوتاہیوں سے اکتا کر اس اندیشہ سے کہ مبادا یہ نبی بھی خلق اللہ کی نصیحت میں کوتاہی نہ کر بیٹھے۔ خاتم النبیّین کا پیغام بھیجدیا اور جتلا دیا کہ اب انبیاء کا بھیجنا ہمنے موقوف کر دیا ہے کیونکہ وہ خلق اللہ کی نصیحت میں کوتاہی کرتے رہے ہیں۔ اب تم آخری نبی ہو تمہارے بعد تو کوئی نبی نہیں آئیگا اگر تمنے بھی کوتاہی کی تو وہ کوتاہی قیامت تک چلی جائیگی اور تمہاری کوتاہی کو پھر کون پورا کریگا کیونکہ اب باب رسالت بند ہو چکا ہے اور تم آخری نبی ہو۔ گویا یا ایها الرسول بلغ ما انزل الیك من ربك فان لم تفعل فما بلغت رسالته پ ع (اے رسول پہنچا جو تجھکو اترا تیرے رب کی طرف سے اور اگر یہ نہ کیا تو تو نے کچھ نہ پہنچایا اس کا پیغام) کا حکم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے کافی نہ تہا کہ خدا تعالےٰ کو یہ جتلانا پڑا کہ بس اب نبی نہیں آئیگا۔ اب یا رسول اللہ تمنے تبلیغ دین میں کوتاہی نہ کرنا۔ خیر یہ تو پرانے مفسرین کا خیال تھا۔ اب جدید مفسرین کا خیال بھی سن لو۔

(۲) مولوی محمد علی صاحب ایم اے کا قول ہے کہ اگر آپکے بعد نبی آجائے تو لازماً آپکی ابوت روحانی کا سلسلہ قطع ہو جائے گا اور پھر دوسرے نبی کی اولاد چلے گی اسلئے خاتم النبیّین ارشاد ہوا ہے اگر بے ادبی معاف ہو تو جو مولوی صاحب نے خاتم النبیّین کے ارشاد کی غرض بیان فرمائی

اس سے تو یہودی خاتم النبیّین کی غرض بدرجہا اچھی بیان کرتے ہیں کیونکہ ان کا بھی یہی دعویٰ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خاتم النبیّین ہیں جیسا کہ مجمع البیان میں ہے ان الیهود یدعون فی موسیٰ مثل ذلك وهم مع ذلك یجوزون بعده انبیاء لیکن ان کے اعتقاد میں حضرت موسیٰ ایسے خاتم النبیّین یعنے روحانی ابو الانبیاء تھے کہ ان کے بعد انکی شریعت کے تابع صدہا انبیاء بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے اور امت موسیٰ امت موسیٰ ہی رہی نہ امت حزقیل کہلائی نہ امت سموئیل اور حضرت موسیٰ کے خاتم النبیّین یعنے روحانی ابو المومنین اور روحانی ابو النبیّین ہونے میں مطلق فرق نہ آیا اور نہ آسکتا ہے اور ان انبیاء کی روحانی اولاد یا جسمانی اولاد سب حضرت موسیٰ ع کی روحانی اولاد سمجھی گئی اور سمجھی جاتی ہے اولاد کی اولاد اولاد ہی کہلاتی ہے جب جسمانی سلسلہ میں مورث اعلیٰ کی ابوت میں فرق نہیں آتا تو کیا روحانی سلسلہ ایسا گیا گزرا ہے کہ اس میں روحانی بیٹے کے پیدا ہونے سے مورث اعلیٰ کی روحانیت کا سلسلہ لازماً قطع ہو جاتا ہے۔ اگر ہو جاتا ہے تو انه لشیئ عجاب۔ اگر جسمانی سلسلہ میں مورث اعلیٰ کی ابوت کا سلسلہ جسمانی بیٹے کے پیدا ہونے سے قطع نہیں ہوتا تو روحانی سلسلہ میں قطعیت کا لزوم کہاں سے آگیا کہ مولوی صاحب فرماتے ہیں اگر آپکے بعد کوئی نبی آجائے تو لازماً آپکی ابوت روحانی کا سلسلہ قطع ہو جائیگا۔ گویا مولوی صاحب لوگوں کو یہ سبق پڑھا رہے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا سلسلہ ایسا زبردست تھا۔ کہ ان کے بعد ہزارہا انبیاء کے مبعوث با نبوت ہونے سے منقطع نہ ہوا مگر عیاذاً باللہ سید ولد آدم صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا سلسلہ ایسا کمزور ہے کہ اگر آنجناب کے بعد ایک نبی بھی آپکی امت میں آگیا تو لازماً آپکی نبوت کا سلسلہ منقطع ہو جائیگا اور تمام شیرازہ شریعت درہم برہم ہو جائے گا اور وہ نبی خواہ امتی ہی کیوں نہ ہو مگر امت محمدیہ امت محمدیہ نہیں رہیگی۔

(۳) لیکن چونکہ صاحب الوحی کی قدر و منزلت صاحب وحی ہی جانتا ہے اهل مكة اعرف بشعابها۔ اور وحی الہی کے رموز کو بشر ذو الوحی ہی خوب پہچانتا ہے رب البیت ادری بما فی البیت حضرت جری الله فی حلل الانبیاء اس ارشاد کی علت غائی اور غرض اصلی یوں بیان فرماتے ہیں اللہ جل شانہ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو صاحب خاتم بنایا یعنے آپکو افاضة الکمال کے لئے مہر دی جو کسی اور نبی کو ہرگز نہیں دی اسی وجہ سے آپکا نام خاتم النبیّین

ٹھہرا یعنی آپ کی پیروی کمالات نبوت بخشتی ہے اور آپکی توجہ روحانی نبی تراش ہے۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۹۷ حاشیہ)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام چشمہ معرفت میں فرماتے ہیں مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فخر دیا گیا کہ وہ ان معنوں سے خاتم النبیین ہیں کہ ایک تو تمام کمالات ان پر ختم ہیں اور دوسرے یہ کہ ان کے بعد کوئی نئی شریعت لانے والا رسول نہیں اور نہ ہی کوئی ایسا نبی ہے جو ان کی امت سے باہر ہو بلکہ وہ امتی کہلاتا ہے نہ مستقل نبی۔

سچ ہے نبی کی عزت نبی ہی جانتا ہے ؎ ہر کہ گوید شنیدہ میگوید ٭ فرخ است آنکہ دیدہ میگوید

خلاصہ کلام حضرت یہ ہے کہ خاتم النبیین دو غرضوں کے لئے ارشاد ہوا ہے ایک یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام کمالات نبوت ختم ہو گئے ہیں اور یہ معنی الختم بمعنی بپایاں بردن سے ماخوذ ہیں۔

دوسرے یہ کہ آئندہ آنے والے انبیاء آپکی مہر سے اور آپکی شریعت کے تابع ہونگے دوسرے رسول تو اپنی اپنی امتوں کے روحانی باپ تھے مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو روحانی فضیلت حاصل ہے کہ آپ آئندہ انبیاء کے روحانی باپ ہونگے اور ان آنے والے انبیاء کے روحانی فرزند در اصل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے روحانی فرزند ہونگے اور یہ معنی الختم بمعنے مہر کردن سے ماخوذ ہیں۔ اصل اختلاف ہم میں اور ہمارے مخالفوں میں یہ ہے۔ کہ :-

(۱) ہم کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوحانی اولاد میں انبیاء ہو سکتے ہیں۔	(۱) وہ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی اولاد میں انبیاء نہیں ہو سکتے۔
(۲) ہم کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے تابع انبیاء کے آنے سے آپکی شان بڑھتی ہے۔	(۲) وہ کہتے ہیں آنحضرت کی شریعت کے تابع انبیاء کے آنے سے حضرت کی شان گھٹتی ہے۔
(۳) ہم کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں انبیاء کی بعثت سے امت محمدیہ کی خیریت ثابت ہوتی ہے۔	(۳) وہ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں انبیاء کی بعثت سے امت محمدیہ کی خیریت جاتی رہتی ہے۔
(۴) ہم کہتے ہیں کہ نبوت انعام الہی ہے اور آنحضرت صلعم	(۴) وہ کہتے ہیں کہ نبوت بیشک انعام الہی ہے

اپنی امت کے منہ پر اس انعام الہی کا دروازہ کھولنے والے ہیں۔	مگر آنحضرت اپنی امت کے منہ پر اس انعام الہی کا دروازہ بند کرنیوالے ہیں۔
(۵) ہم کہتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم آخری تشریعی نبی تھے	(۵) وہ کہتے ہیں نہیں آخری نبی تھے۔
(۶) ہم کہتے ہیں آنحضرت کی مہر سے نبی ہونگے	(۶) وہ کہتے ہیں آنحضرت کی مہر سے کوئی نبی نہیں

لہذا ان تنازعات کے تصفیہ کے لئے ضروری ہے کہ آیت خاتم النبیین کی جو بھی صورتیں لفظاً یا معناً لغت عرب سے یا قواعد نحویہ سے ہو سکتی ہوں ان پر الگ الگ ایک نظر غائر ڈالکر دیکھا جائے کہ ان کا مفہوم کسی آئندہ نبی کی نبوت کا مانع ہے یا نہیں؟ اور اگر مانع ہے تو کس قسم کے نبی پر آیا تشریعی پر یا غیر تشریعی پر؟ پھر تابع شریعت محمدیہ پر یا غیر تابع شریعت محمدیہ پر پھر مستقل نبی پر یا ظلی اور بروزی نبی پر تا کہ جن معانی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت ثابت ہوتی ہو۔ انکو لے لیا جائے اور جن سے فضیلت کا پہلو نہ نکلتا ہو۔ انکو ترک کر دیا جائے۔ چونکہ یہ آیت کریمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت میں وارد ہے اسلئے اس آیت کے معنی تحقیق کرنے میں تین اصول کا لحاظ از بس ضروری ہے

(۱) ان معنوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کا ثبوت ملتا ہو۔

(۲) وہ معنی کسی نص صریح قطعی الدلالۃ قرآنی کے مخالف نہ ہوں۔

(۳) لغت عرب اس معنی کا مؤید ہو۔

پھر ان اصول ثلاثہ کی پابندی سے اگر کوئی معنی ثابت ہو جائیں تو ان کی نسبت معنی جدید یا خلاف جمہور مفسرین کا عذر اٹھانا درست نہیں کیونکہ قرآن کریم کی آیتوں کے معانی غیر محدود ہیں جو اپنے اپنے وقت پر کھلتے رہتے ہیں۔ ولو کان البحر مداداً لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولو جئنا بمثلہ مدداً ؕ

تحقیق معنی خاتم

در اصل لفظ خاتم بفتح التاء ما یوضع علی الطینہ کو کہتے ہیں یعنی کندہ کی ہوئی چیز جو خاص قسم کی مٹی پر لگائی جاتی ہے جس کی تشریح آئندہ کیجائے گی چونکہ وہ کندہ کی

ہوئی چیز اولاً انگشتری میں نصب کی گئی تھی اسلئے انگشتری کو مجازاً باعتبار تسمیۃ الظرف باسم المظروف ۔ مظروف کے نام پر ظرف کا نام رکھکر مجازاً ظرف کو خاتم کہنے لگ گئے چنانچہ لسان العرب اور تاج العروس میں ہے الخاتم بفتح التاء مایوضع علی الطینہ وھو اسم مثل العالم ومن المجاز لبس الخاتم وھو حلی للاصبع یعنی خاتم حرف التاء المثناۃ الفوقانیہ کی زبر سے وہ چیز ہے جو خاص قسم کی مٹی پر لگائی جاتی ہے اور وہ مثل عالم بفتح اللام کے اسم ہے اور مجازاً انگلی کے زیور کی نسبت لبس الخاتم کہا جاتا ہے اور انگوٹھی کو کیوں خاتم کہا جاتا ہے ۔ اس کی نسبت ابن سیدہ لکھتا ہے ھو من الحلی کانہ اول وھلۃ ختم بہ فدخل بذلک فی باب الطابع ثم کثر استعمالہ لذلک وان اعد الخاتم لغیر الطبع یعنے وہ ایک زیور ہے گویا پہلے پہل اسی سے مہر لگائی گئی ہے اسی وجہ سے وہ الطبع یعنے چھاپنے کے باب میں آگئی ہے ہندی میں بھی اسی وجہ سے انگوٹھی کو چھاپ کہتے ہیں ۔ حتیٰ کہ کثرت استعمال سے اب انگوٹھی کو خاتم کہنے لگ گئے ہیں اگرچہ وہ مہر لگنے کے سوا محض زینت کے لئے بنائی جائے جیسے خاتم ذھب وخاتم فضۃ (سونیکی مہر چاندی کی مہر) بعض اہل لغت کہتے ہیں الخاتم حلقۃ ذات فص من غیرھا فان لم یکن لھا فص فھی فتخہ ۔ خاتم ایسے گول چھلے کو کہتے ہیں جس میں کسی دوسری چیز کا نگینہ لگا ہو اور اگر اس میں نگینہ نہ ہو تو اسکو عربی میں فتخہ کہتے ہیں ۔ صراح میں ہے فتخہ بالفتحات انگشتری بغیر نگینہ فاذا کان فیہ فص فھو خاتم ۔ بعد مرور دہور انگوٹھی سے بھی گذر کر خاتم کا اطلاق اس نقش خاتم پر ہونے لگا جو کاغذ یا کسی چیز پر مہر کے لگنے سے پیدا ہوتا ہے وقد یطلق علی اثر الناشی عنہ علی الکتب ۔ لان الختم وھو التاثیر فی شیئ یقال ختم الکتب وعلی الکتب کیونکہ ختم کے معنے دراصل کسی شے میں تاثیر کرنے کے ہیں محاورہ ہے اسنے کتاب ختم کی اور کتاب پر مہر کی ۔

ان معنوں کے سوا کبھی لفظ ختام ۔ ختام یعنے سرداں و دہان بند ظروف کے معنوں میں بھی مستعمل ہوتا ہے ابن خلدون لکھتا ہے ویطلق علی السداد الذی یسد بہ الاوانی اسی لحاظ سے بعض قاریوں نے یسقون من رحیق مختوم ختامہ مسک میں بجائے ختامہ مسک خاتمہ مسک پڑھا ہے یعنے اسکی مہر مسک کی ہے ۔

اور کبھی خاتم کے لفظ کا اطلاق علامت کے معنوں میں بھی ہوتا ہے ۔ اور کبھی لفظ خاتم نہایت اور تمام کے معنے بھی دیتا ہے چنانچہ ابن خلدون لکھتا ہے ۔ وقد یطلق علی النھایۃ والتمام ۔

اب ان اعتبارات سے لفظ خاتم بالفتح کا اطلاق پانچ معنوں میں ہوتا ہے ۔

(۱) خاتم بالفتح مایوضع علی الطینہ یعنی کندہ کیا ہوا پتھر یا نگینہ

(۲) خاتم بالفتح بمعنی حلیہ معروف یعنے انگشتری

(۳) خاتم بالفتح اثر الناشی عن الخاتم علی الکتب یعنی مہر کا نقش جو کاغذ وغیرہ پر ثبت ہو جاتا ہے

(۴) خاتم بالفتح بمعنی علامت

(۵) خاتم بالفتح بمعنے نہایت وتمام

اور خاتم بالکسر کی بھی پانچ صورتیں ہو سکتی ہیں ۔

(۱) خاتم بالکسر بمعنے مہر مثل خاتم بالفتح

(۲) خاتم بالکسر اسم فاعل

(۳) خاتم بالکسر بمعنے صاحب الختم یعنے خداوند مہر

(۴) خاتم بالکسر بمعنے مختوم

(۵) خاتم بالکسر بمعنی خاتمہ

پس بوجوہ ان اعتبارات کے خاتم النبیین کی آیت پر دس طرح سے بحث ہو سکتی ہے ۔ (۱) خاتم بالفتح مایوضع علی الطینہ یعنی کندہ کیا ہوا پتھر یا نگینہ ۔ حسب تصریح کتب لغت قاموس ولسان العرب وتاج العروس وغیرہ خاتم دراصل مایوضع علی الطینہ ہے ۔ اور مایوضع علی الطینہ وہ کندہ کی ہوئی چیز ہے جو خاص قسم کی رنگین اور ملائم اور تر مٹی پر لگائی جاتی ہے ۔ ابتدائے ایام میں کہ ابھی فن مہر کنی اور حکاکی میں اسقدر ترقی نہیں ہوئی تھی اور خط معکوس بھی ایجاد نہیں ہوا تھا لوگ لوہے یا [illegible] تانبے کے پترے پر جس کو عربی میں ورق کہتے تھے یا پتھر کے ٹکڑے پر جس کو نص یعنی نگینہ کہتے تھے بخط مستقیم یعنے داہنے ہاتھ سے بائیں ہاتھ کی طرف لوہے کے قلم سے یا ہیرے کی نوک سے نام کندہ کر کے اس پترے یا پتھر کے نگینہ کو گیرو یا اسی قسم کی رنگین ملائم تر مٹی پر لگا دیتے تھے جس پر وہ کندہ کیا ہوا نقش بخط معکوس مرتسم ہو جاتا

اسکو عربی میں لفظ طبع سے تعبیر کرتے جس کو ہندی میں چھاپنا کہتے ہیں جب اس رنگین مٹی پر الٹے حروف منتقش ہو جاتے تو اس مٹی کو اٹھا کر کاغذ پر جما دیتے اور اس کاغذ پہ الٹے حروف کا سیدھا نقش بیٹھ جاتا اور کندہ کئے ہوئے نام کا نقش کاغذ پر دھندلا یا صاف پڑھنے میں آجاتا۔ جس طرح لیتھو گراف میں سیدھی کاپی لکھ کر پتھر پر جما دیتے ہیں تو الٹے حروف منتقش ہو جاتے ہیں پھر اس پر جب کاغذ جما کر اٹھایا جاتا ہے تو کاغذ پر سیدھے حروف چھپتے ہیں۔ الغرض اس کندہ پترے یا نگینہ کو جو گیرو مٹی وغیرہ پر لگایا جاتا تھا خاتم بمعنے ما یوضع علی الطینہ اور اس گیرو مٹی کو الختم اور ختام اور طین الختم اور طین مختوم کہتے تھے چنانچہ اہل طب میں آجتک اسی نام سے مشہور ہے۔

جس طرح اس کندہ کئے ہوئے پترے یا نگینہ کے مٹی پر لگانے کو اہل عرب لفظ طبع سے تعبیر کرتے تھے اسی طرح گیرو مٹی کے کاغذ پر رکھنے کو لفظ ختم سے تعبیر کرتے تھے دیکھو عرب میں محاورہ ہے طان فلان کتابہ ای ختمہ بالطین۔ یعنی فلاں شخص نے اپنے مکتوب پر مٹی یعنی مُہر لگائی ہے صراح میں ہے یقال علیہا ختمٌ بالتحریك ای طینة مختوم یعنی کہا جاتا ہے کہ اس پر ختم ہے یعنی مُہر کی ہوئی مٹی ہے۔

چونکہ اس ورق یا نگینہ کو گیرو مٹی پر لگا کر اس گیرو مٹی کو کاغذ پر لگایا جاتا تہا اسلئے اکثر حروف کے نقوش اچھی طرح سے نمودار نہیں ہوتے تھے علی الخصوص جب وہ ورق یا فص مرور دہور سے فرسودہ ہو کر اسکے حروف کثرت استعمال سے قریب المحو ہو جاتے تھے اور اسکا چھاپہ خراب ہو جاتا تھا پھر اس چھاپہ کا چھاپہ کاغذ پر اور بھی مشکل سے پڑھنے میں آتا تھا۔ اسلئے اس ورق یا فص کو دوبارہ کندہ کرنے کی ضرورت پیش آتی تھی جیسے زبر تجدّ متونہا اقلامہا سے ظاہر ہے۔

ﻟﮧ ابن خلدون لکھتا ہے وکان فی الدول القدیمة یختم علی مکان اللصق بخاتم منقوش قد غمس فی مداف من الطین معد لذلك صبغہ احمر فیرتسم ذلك النقش علیہ وکان ھٰذ الطین یعرف بطین الختم فیظھر اللہ مخصوص بھا۔ پہلی سلطنتوں میں کندہ کی ہوئی مُہر کو تر کی ہوئی سرخ رنگ مٹی جو اسی کام کے واسطے پہلے ہی سے تیار کرکے رکھی جاتی تھی غوطہ دیکر کاغذ کے چسپاں ہونے کی جگہ پر لگا دیتے تھے۔ اور مہر کا نقش اس پر مرتسم ہو جاتا تھا اور یہ مٹی طین الختم یعنی مہر کرنے کی مٹی کے نام سے مشہور اور معروف تھی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مٹی اسی کام کے واسطے مخصوص تھی۔ عربی میں مثل مشہور ہے ختم بالطین ھاذا مھا طبا جتک مٹی تر ہے اس سے

ان مشکلات کے رفع کرنے کے لئے خط معکوس ایجاد کیا گیا اور اس ورق یا فص کو الٹا کندہ کرنا شروع کیا تاکہ گیرو پر جمانے اور پھر گیرو کو کاغذ پر دھرنے کی تکلیف سے نجات حاصل ہو اور گیرو پر جمانے کے بلاواسطہ خود اسی ورق یا فص کو گیرو میں ڈبو کر کاغذ پر لگا دیا جائے اور حروف کا سیدھا نقش کاغذ پر بیٹھ جائے جب وہ ورق یا فص معکوس کندہ کیا جانا رواج پا گیا جیسا کہ ابن خلدون لکھتا ہے قد یقراء من الجهة الیسریٰ اذا کان النقش علی الاستقامة من الجهة الیمنیٰ وقد یقراء من الجهة الیمنیٰ اذا کان النقش من الجهة الیسریٰ۔ یعنی کبھی نگینہ پر بائیں ہاتھ کیطرف سے پڑھا جاتا ہے جبکہ کاغذ پر اسکا نقش داہنے ہاتھ کیطرف سے استقامت پر ہوتا ہے اور کبھی داہنے ہاتھ کی طرف سے پڑھا جاتا ہے جبکہ کاغذ پر اسکا نقش بائیں ہاتھ کی طرف سے غیر استقامت پر ہوتا ہے۔

تو پھر وہ فص یا ورق بلاواسطہ خود کاغذ پر لگانے لگے اور اسکی تعریف ما یختم بہ ہو گئی اور ختم بجائے طبع اور طبع بجائے ختم مترادف فی المعنی استعمال ہونے لگ گیا ملحة الجرمی کہتا ہے کان قرادی زوره طبعتہما بطین من الجولان کتاب اعجم[1] یعنے اسکے پستان کے دونوں سرے ایسے ہیں کہ گویا کاتبان عجم نے مقام جولان کی مٹی سے دو مُہریں لگائی ہیں۔

دیکھو جب مُہر کن مہر کندہ کرکے نقش کے جید ہونے کے امتحان کی غرض سے مُہر کو موم پر لگاتا ہے تو طبعت علی الشمع اور ختمت علی الشمع دونوں طرح سے کہا جاتا ہے۔

صاحب صراح لکھتا ہے الطبع مہر کردن برنامہ لسان العرب اور تاج العروس و تاج المصادر بیہقی بھی اسکے مؤید ہیں اور قرآن کریم میں بھی خدا تعالےٰ نے ختم اللہ علی قلوبہم وعلی سمعہم کی تفسیر دوسری آیت اولٰئك الذین طبع اللہ علی قلوبہم وسمعہم میں لفظ طبع کے ساتھ بیان فرمائی ہے۔ اسی وجہ سے خاتم بفتح الفوقانیہ اور طابع بفتح الموحدہ دونوں مترادف فی المعنی ہیں صاحب صراح لکھتا ہے الطابع بفتح البا انگشتری۔

پس جبکہ ثابت ہو گیا کہ خاتم بالفتح اور طابع بالفتح دونوں متحد المعنی اور مرادف یکدیگر

ﻟﮧ یصفہ بالقوة والشجاعة شبہ حلمتی ثدییہ بقرادتین مصبوغتین من طین الجولان ختمہما کتاب الروم او الفرس ۱۲ اسکی قوت اور شجاعت کی تعریف کرتا ہے اسکے دونوں پستان کے سرو کو موضع جولان کی مٹی سے رنگے ہوئے دو چیچڑوں سے تشبیہ دیتا ہے جنپر نویسندگان روم نے مہر لگائی ہے۔

ہیں اور بجائے ایکدوسرے کے استعمال ہوتے ہیں اور طابع کے معنے مہر کے سوا کچھ نہیں تمام اور نہایت یا آخر کا اسکے معنے میں داخل نہیں پس خاتَم یعنے ما یوضع علی الطینہ یا مایختم بہ یا ما یطبع بہ کے معنی کسی امر کی انتہا اور آخر پر دال نہیں۔

کیونکہ ما یوضع علی الطینہ یا مایختم بہ یا مایطبع بہ کی علت غائی اور غرض اخذ محض طبع علی الکتب ہے یعنی مایطبع بہ کسی نوشتہ پر مہر کرنے کے لئے کندہ کیا جاتا ہے نہ کسی چیز کے انجام وانتہا کے لئے۔ جب مایطبع بہ کے مفہوم میں نہایت وتمام کو بھی دخل نہیں۔ کیونکہ مایختم بہ الختم مہر کردن کے مصدر سے ماخوذ ہے نہ الختم بپایان بردن سے۔

صحیحین کی اس حدیث سے کہ ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم اراد ان یکتب الی قیصر فقیل لہ ان العجم لا یقبلون کتابًا الا ان یکون مختومًا فاخذ خاتمًا ونقش فیہ محمد رسول اللہ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر کی طرف خط لکھنے کا ارادہ کیا عرض کی گئی اہل عجم مہر کے سوا کسی نوشتہ کو قبول نہیں کرتے آپ نے مہر لیکر محمد رسول اللہ اسمیں نقش کیا اس سے صاف ثابت ہے کہ جناب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے محض مکاتیب پر مُہر ثبت کرنے کے لئے مُہر کندہ کرائی تھی تاکہ مکتوب مصدق سمجھ کر قبول کیا جائے نہ مکاتیب کے آخر وانتہا کے لئے کیونکہ مکتوب کا آخر بغیر مہر کے بھی ہوسکتا ہے یعنے مہر کے بغیر مکتوب نہایت کو پہنچ سکتا ہے اور بغیر مُہر کے خط پورا سمجھا جاتا ہے مگر تصدیق بغیر مہر کے نہیں ہوسکتی اس روشنی کے زمانہ میں انگوٹھے کا نشان مہر کا کام دیتا ہے۔

اسلئے آیت خاتم النبیّین جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر انبیاء ہونے کے معنوں پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ اس صورت میں مایوضع علی الطینہ یا مایختم بہ یا مایطبع بہ یعنی ورق منقوش یا فص محکوک کے ساتھ تشبیہ دینے میں بجز تصدیق کے اور کوئی وجہ شبہ ہو ہی نہیں سکتی اس صورت میں خاتم النبیّین کے معنے مایختم بہ یعنی مایطبع بہ علی کتاب نبوت النبیّین ہونگے یعنے آپکی ذات بابرکات مثل اس منقوش نگینہ کی ہے جس کے ساتھ انبیاء اللہ کی کتاب نبوت پر مہر تصدیق کیجاتی ہے یا کی گئی ہے اور بغیر آپکی تصدیق کے ان کی کتاب نبوت مصدق نہیں سمجھی جاتی کان لا یقبلون کتابًا الا ان یکون مختومًا بمحمد رسول اللہ۔ جیسا کہ حدیث صحیحین سے ظاہر ہے۔

اب ظاہر ہے کہ جب آیت کریمہ خاتم النبیّین آخر النبیّین ہونے کے معنوں پر دلالت نہیں کرتی اور کسی آئندہ نبی کی عدم نبوت پر ہرگز دال نہیں ہوسکتی بشرطیکہ وہ نبی جناب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زیر نقش نگین ہو پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسّلام جو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے نقش نگین کے نیچے ہیں۔ بیشک وریب نبی برحق ہیں۔

(دوم) خاتم بالفتح بمعنی حلیہ معروف یعنے انگشتری

عربی میں خاتم فارسی میں انگشترین ہندی میں انگوٹھی اور چھاپ کہتے ہیں حدیث میں ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لرجل فی خاتم الحدید مالی اری علیك حلیۃ اھل النار لانہ کان من زی الکفار الذین ھم اھل النار۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی سے جس نے لوہے کی انگوٹھی پہنی ہوئی تھی فرمایا کیا وجہ ہے کہ میں اہل دوزخ کا زیور تجھکو پہنے ہوئے دیکھتا ہوں کیونکہ لوہے کی انگوٹھی کا پہننا کفار کا پیرایہ ہے جو اہل دوزخ ہیں۔

دوسری حدیث میں ہے نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن التختم بالذھب وکان خاتم رسول اللہ من فضۃ۔ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی پہننے سے مردوں کو منع فرمایا ہے اور آنجناب کی انگوٹھی چاندی کی تھی۔

دراصل تو خاتم مایوضع علی الطینہ ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوچکا ہے لیکن باعتبار تسمیۃ الظرف باسم المظروف انگوٹھی کو بھی مجازًا خاتم کہتے ہیں اور اسکی غرض یا تو ختم علی الکتب ہوتی ہے یا محض زینت کان الخاتم یطلق علی الآلۃ التی تجعل فی الاصبع للزینۃ المحضۃ او الختم الکتب۔

اور ختم علی الکتب کی غرض تو تصدیق کتب ہوتی ہے جیسا کہ سابقًا بیان ہوچکا ہے اب یہی غرض زینت اس صورت میں آیت خاتم النبیین کے معنے حلیۃ النبیّین اور زینت النبیّین کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتے کیونکہ جب خاتم کے معنی حلیہ معروف کے ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو اسکے ساتھ تشبیہ دی جائے تو وجہ شبہ بغیر زینت کے اور کوئی امر ظاہر نہیں ہوسکتا اسلئے خاتم النبیین کے معنے زینت النبیّین ہی کے لئے جاسکتے ہیں چنانچہ تفسیر فتح البیان میں ہے

ومعنى الثانية (اى بفتحها) انه صار كالخاتم الذى يختمون به ويتزينون بكونه منهم يعنی خاتم بالفتح کے ساتھ یہ معنی ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا وجود مقدس مثل اس خاتم کے ہے جس کے ساتھ انپر مہر کی گئی ہے اور وہ انبیار حضور علیہ السلام کے وجود مقدس کو اپنے گروہ میں ہونے سے باعث زینت سمجھتے ہیں۔ اکثر اہل تشاع نے بھی یہی معنی لئے ہیں۔ چنانچہ مجمع البحرین میں ہے محمد خاتم النبيّين يجوز فيه فتح التاء وكسرها فالفتح بمعنى الزينة ماخوذ من الخاتم الذى هو زينة للابسه یعنی محمد خاتم النبیین ہیں اسمیں حرف التار کی فتح اور کسرہ دونوں جائز ہیں اور فتح تار کے ساتھ زینت کے معنی میں ہے اور یہ ماخوذ ہے انگشتری سے جو اپنے پہننے والے کے لئے باعث زینت ہوتی ہے۔

یا یوں کہو کہ چونکہ خاتم۔ تاج۔ علم۔ عصا۔ مظلہ۔ شارات الملک یعنی ظاہری سلطنت کے سامان۔ عزت اور شاہی زیورات کہلاتے ہیں اور منجملہ ان کے خاتم اعلیٰ شارة الملک سمجھا جاتا ہے کیونکہ اس سے ممالک محروسہ زیر نگین ہوتے ہیں اور اسی سے انتظام امور سلطنت کیا جاتا ہے جیسا کہ ابن خلدون لکھتا ہے ويلبسه السلطان شارة فى عرفهم خدا تعالےٰ نے اسی طرح سے خاتم کو سلطنت باطنی کا اعلیٰ شارہ قرار دیکر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کو مجازاً خاتم یعنے شارہ سلطنت انبیار بیان فرمایا ہے یعنی جس طرح سے خاتم معروف شارہ ملک و سلطنت ظاہریہ سلاطین ہوتی ہے اسی طرح سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات شارہ سلطنت باطنیہ انبیاے کرام علیہم السلام ہے اس صورت میں خاتم النبیین کے معنی ہونگے۔ شارة النبيّين یعنے حلیہ سلطنت انبیار۔

یا یوں کہو کہ خاتم النبیین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا اعزازی خطاب ہے زمانہ جاہلیت اور زمانہ اسلام میں ایسے ایسے عزت کے خطاب اور لقب عرب میں شائع و ذائع تھے جیسے ماء السّماء۔ ذو الاکتاف وغیرہ

احادیث سے بھی ثابت ہے کہ خود جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی بعض بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اعزازی خطاب ارشاد فرمائے ہیں حضرت علی کو یعسوب العرب اور ذو القرنین اور حضرت خالد بن ولید کو سیف اللہ اور حضرت عبد الرحمن بن عتاب کو یعسوب القریش

کا خطاب دیا تھا۔

دیکھو قرآن کریم میں خدا تعالےٰ نے بھی حضرت یونس علیہ السلام کو صاحب الحوت اور ذوالنون کے خطابات سے یاد فرمایا ہے جیسا کہ آیت ولا تکن كصاحب الحوت اور وذا النون اذ ذهب مغاضبا سے ہویدا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ کے خطاب سے اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام روح اللہ کے لقب سے تمام اسلامی دنیا میں مشہور و معروف ہیں۔

ظاہر ہے کہ خدا تعالےٰ ہمیشہ لوگوں سے انہیں کے محاورات اور شائستہ الف و عادات کے مطابق تکلم فرماتا ہے پس جسطرح ایک ظاہری بادشاہ اپنے معززین بارگاہ کو انکی حسن خدمت اور عمدہ کارگذاری کے صلہ میں ان کی لیاقت اور قابلیت کے موافق ان کے اظہار عزت کے لئے معزز خطابات دیتا ہے اسی طرح سے اس ذو العرش المجيد فعال لما يريد شہنشاہ علی الاطلاق جلت آلاؤہ نے اپنے حبیب پاک کو خاتم النبيّين کا خطاب اعزازی عطا فرمایا ہے۔

قرآن کریم کے نزول سے پہلے سلطنت اور قوم کی طرف سے کسی ذی شان انسان کو معزز خطاب یا لقب ملنے کا دستور نہایت قلیل تھا مگر اب قرآن کریم کے نزول کے بعد لوگوں کے لئے انجام دہی حسن خدمات اور اعلیٰ حصول لیاقت کے جلدو میں اپنی اپنی گورنمنٹ اور اپنی اپنی قوم کی جانب سے اعزازی خطابات اور اعلیٰ سے اعلیٰ القاب حاصل کرنیکا زمانہ قریب آرہا تھا پس پیشتر اسکے کہ کوئی ذو الیمینین اور کوئی یمین الدولہ اور کوئی شمس الائمہ اور کوئی سراج الائمہ اور کوئی محی السنہ اور کوئی تاج العلماء اور کوئی طاؤس الفقراء اور کوئی علم الہدیٰ اور کوئی شمس المعالی اور کوئی ماہر العلوم اور کوئی بالغ العلوم اور کوئی حجۃ الاسلام اور کوئی فخر الاسلام وغیرہ کا خطاب پائے اس علیم و خبیر نے اس خاص الخاص مقرب بارگاہ عزت کو اسکی اعلیٰ خدمات اشاعت توحید کے صلہ میں جو دیگر اولو العزم انبیاے کرام علیہم السلام سے اس حد تک انجام کو نہ پہنچ سکی تھیں اظہاراً العلو شانہ۔ خاتم النبيّين کا معزز خطاب عطا فرمایا۔ تاکہ اس سید ولد آدم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان دنیا کے لوگوں پر دیگر انبیاے کرام علیہم السلام سے برتر اور فائق تر ثابت ہو۔

اب ظاہر ہے کہ لفظ خاتم بمعنے حلیہ معروف نہایت اور تمام اور آخر و انجام کے معنی پر دلالت نہیں کرتا پس جبکہ مستعار منہ آخر اور انجام کے معنے پر دال نہیں تو مستعار لہ کیونکر نہایت اور تمام کے معنے دے سکتا ہے کیونکہ اخذ خاتم کی غرض جیسا کہ سابقاً تحریر ہو چکا ہے یا تو محض زینت ہے یا کسی نوشتہ پر مہر کرنا اسلئے خاتم النبیّین کا مفہوم باعتبار اس معنی کے کسی آئندہ نبی کی نبوت سے مانع نہیں کہ جناب جری اللہ فی حلل الانبیاء مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کا مانع سمجھا جائے۔

(سوم) خاتم بالفتح اثر الناشی عن الخاتم علی الکتاب یعنی وہ نشان جو مہر لگانے سے کاغذ پر نمودار ہو جاتا ہے

ابن خلدون لکھتا ہے وقد یطلق لفظ الخاتم علی اثر الناشی عنہ یعنی خاتم کا لفظ کبھی اس نشان پر بھی بولا جاتا ہے جو مہر کے لگانے سے پیدا ہوتا ہے مثلاً وثیقہ وغیرہ پر مفتی اور قاضی اور بادشاہ کی مہر کا نشان ہو تو کہا جاتا ہے ھٰذا خاتم المفتی وھٰذا خاتم القاضی وھٰذا خاتم السّلطان۔ اب اس زمانہ میں بجائے مہر کے انگوٹھے کا نشان تمسکوں اور اقرار ناموں اور وثیقوں پر لگایا جاتا ہے فارسی میں مہر کے نشان کو نقش نگین کہتے ہیں۔

اس نقش نگین اثر الناشی عن الخاتم یا انگوٹھے کے نشان یا دستخط کی غرض متحد ہے اور وہ غرض یا تو کسی امر کی تصدیق یا کسی امر کی صحت یا حفاظت ما فی الظرف ہوا کرتی ہے ان اغراض ثلاثہ کے سوا چوتھی غرض کوئی ثابت نہیں ہوتی

(۱) کسی وثیقہ پر مہر یا انگوٹھے کا نشان یا دستخط محض اسلئے کیا جاتا ہے کہ اسکا مضمون مصدق ہے اور نیت جوامع الکلم و خواتمہ کی نسبت مجمع بحار الانوار میں ہے حجۃ علی سارہا و مصدق لہا۔ مہر شہادت بھی اسی قبیل سے ہے مفردات میں امام راغب لکھتے ہیں وقال بعضہم ختمہ شہادۃ اللہ تعالیٰ علیہ انہ لا یومن۔ بعض اہل لغت لکھتے ہیں کہ ختمہ کے معنے اللہ تعالیٰ کی شہادت ہے کہ وہ ایمان نہیں لائے گا المغرب فی ترتیب المعرب میں ہے ختم الشئ وضع علیہ الخاتم ومنہ ختم الشہادۃ ذلک علیٰ ما ذکر الحلوانی

ان الشاہد کان اذا کتب اسمہ فی الصک جعل اسمہ تحت رصاص مکتوباً ووضع علیہ نقش خاتمہ حتی لا یجری فیہ التزویر والتبدیل۔ ختم الشئ کے معنی اسپر مہر لگانا ہے اور اسی سے ختم الشہادۃ ماخوذ ہے کہ اسنے گواہی پر مہر لگائی اس کو حلوانی نے بیان کیا ہے کہ گواہ جب چک میں اپنا نام لکھا کرتا تھا تو اپنے نام کو قلعی کے ورق کے نیچے چھپا دیتا تھا اور اس قلعی کے ورق پر اپنی مہر کا نقش لگا دیتا تھا۔ تاکہ تبدیلی سے اور جعلسازی سے محفوظ رہے۔ (پس مکتوب پر اسواسطے مہر لگائی جاتی ہے کہ اسکا مضمون صحیح ہے (۳)

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی غرض کے لئے ایک چاندی کی انگوٹھی کے پترے پر مہر کندہ کرائی تھی وقد ثبت فی الصحیحین ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اراد ان یکتب الی قیصر فقیل لہ ان العجم لا یقبلون الکتاب الا ان یکون مختوماً فاخذ خاتماً ونقش فیہ محمد رسول اللہ قال البخاری جعل فیہ ثلاث کلمات فی ثلاثۃ اسطر وختم بہ وقال لا ینقش احد مثلہ قال وتختم بہ ابوبکر وعمر وعثمان ثم سقط من ید عثمان فی بئر اریس وکانت قلیلۃ الماء فلم یدرک قعرہا بعدہ فاغتم عثمان وتطیر منہ وصنع آخر علیٰ مثلہ۔ یعنی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے قیصر کی طرف خط لکھنے کا ارادہ کیا عرض کی گئی اہل عجم مہر کے بغیر کسی خط کو قبول نہیں کرتے حضرت نے چاندی کی انگوٹھی بنوا کر اسمیں **محمد رسول اللہ** کا نقش کندہ کرایا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ تین کلمات تین سطروں میں تھے اور آنجناب کی طرح خوبصورتی سے کوئی مہر نہیں لگا سکتا تھا۔ حضور علیہ السلام کے بعد حضرت ابوبکر اور ان کے بعد حضرت عمر اور پھر حضرت عثمان اس انگوٹھی کو پہنا کرتے تھے۔ ناگاہ حضرت عثمان کے ہاتھ سے وہ خاتم مبارک اریس کوئیں میں گر گئی اس کوئیں کا پانی تہ نشین تھا مگر اس خاتم مبارک کے گرنے سے اسقدر اس میں پانی ہو گیا کہ پھر اسکی تہ مشکل سے دستیاب ہونے لگی حضرت عثمان نے خاتم مبارک کے گم ہونے سے نہایت غم کیا اور اسکے گم ہونے کو فال بد سمجھا اور پھر آپنے ویسی ہی اور انگوٹھی بنوائی۔ اس صورت میں خاتم النبیّین کی وجہ تسمیہ یہ ہوئی جنکو جناب امیر المومنین علی ابن ابیطالب رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے بیان فرمایا ہے ولم یجد للنبی نبوۃ حتی

اخذ خاتماً من محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلذلک سمی خاتم النبیین یعنے کسی نبی کی نبوت جاری نہیں ہوئی جب تک کہ اس نبی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مُہر حاصل نہیں کی اسلئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا لقب خاتم النبیین ہوگیا۔

اب اس وجہ تسمیہ سے جو حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہ نے بیان فرمائی ہے ظاہر ہوتا ہے کہ خاتم النبیین میں خاتم بے معنے نقش ناشی عن الخاتم کے ہیں یعنی کسی نبی کی نبوت اسوقت تک جاری نہیں ہوئی جب تک اس نبی نے حضور علیہ السلام سے روحانی طور پر فیض حاصل نہیں کرلیا۔ یا بطور مجاز اپنے فرمان نبوت پر جو جناب الٰہی سے اس نبی کو عطا ہوا ہے حضور علیہ السلام سے مُہر مضامنت نہیں کرالی۔ مگر اس مفہوم سے یہ بات بالکل بعید ہے کہ اب کوئی نبی آنجناب کے بعد آپ کے نقش نگین کے ماتحت مبعوث نہیں ہوگا۔

خیر یہ تو ایک روحانی تاویل ہے جس کو اہل کشوف ہی خوب جانتے ہیں ظاہر بین اسکو کیا جانیں لیکن ظاہری طور پر بھی تمام انبیاء سابقین آنجناب کے نقش نگین کے نیچے ہیں کیونکہ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم قوم بنی اسرائیل اور دیگر اقوام کے انبیاء علیہم السلام کی تصدیق نہ فرماتے تو اقوام غیر مثلاً باشندگان عرب۔ ترک دیلم چین۔ تاتار۔ فارس۔ ہند حبش وغیرہم نے جو مشرف باسلام ہوکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے اثر سے ان انبیاء کی نبوت کو تسلیم کیا ہے اور انپر ایمان لانے پر مجبور ہوئے ہیں کیونکر تسلیم کرتے۔

بیشک وہ انبیائے کرام علیہم السلام اپنے اپنے وقت میں اپنی اپنی قوم کے لئے جاؤا بالبینات تھے۔ لیکن ان کی بعثت کافۃ للناس نہیں تھی بلکہ اپنے اپنے وقت اور اپنی اپنی قوم کے لئے تھی پس ان کی قوم کے بغیر دوسری قوم کے لوگ کیوں انکو تسلیم کرتے اور ان کو خدا کا مرسل مانتے اور کیوں انپر ایمان لاتے اور کیوں آئندہ ایمان لاویں۔

انبیاء بنی اسرائیل بنی اسرائیل کے لئے تھے نہ بنی اسمٰعیل کے لئے نہ قوم قبط کے لئے پھر بنی اسمٰعیل کیوں انپر ایمان لاویں اور بنی یافث کیوں انکو تسلیم کریں یہ تو خاتم النبیین کی تصدیق کا اثر ہے کہ آنجناب نے ان کی نبوت پر مُہر تصدیق فرمائی ہے اور مختلف اقوام کے لوگ مشرف باسلام ہوکر اٰمنت باللہ وملٰئکتہ وکتبہ ورسلہ کا کلمہ پڑھتے ہیں اور ان

انبیائے کرام پر بحکم لانفرق بین احد من رسلہ ویسا ہی ایمان رکھتے ہیں جیسا کہ اپنے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام ہی کی ذات کو لے لو اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی نبوت پر مُہر تصدیق نہ فرماتے تو آج دنیا میں کون ان کو نبی مانتا۔ یونی ٹیرین نے بھی اسلامی تعلیم ہی کے اثر سے اور مسلمانوں کی دیکھا دیکھی انکو نبی مانا ہے۔

ہنود اور بدھ مذہب کے پیرؤں کو اور پارسی مذہب والونکو تو حضرت عیسٰے علیہ السلام کی ذات سے سروکار ہی نہیں اور نہ ان کی نبوت کافۃ للناس تھی کہ وہ انپر ایمان لاتے اور ایمان لانے کیلئے مکلف ہوتے کیونکہ وہ تو بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے لئے اور رسولا الیٰ بنی اسرائیل تھے۔

اب رہے نصاریٰ حضرت عیسٰے علیہ السلام کو مانتے تو ہیں مگر نہ ماننے کے برابر کہ خدا اور خدا کا بیٹا اعتقاد کرتے ہیں نبی یا رسول یا پیغمبر کا لقب ان کی ذات کے لیے تجویز کرنا گناہ عظیم خیال کرتے ہیں۔

اب بتائیے کہ ہندوستان کی بعض ہندو قوموں نے اسلام لاکر اور بعض پیروان زردشت نے مسلمان ہوکر اور بعض چین کے بدھ مذہب والوں نے مشرف باسلام ہوکر حضرت عیسٰی علیہ السلام کو نبی اللہ تسلیم کیا ہے یہ کس کی تصدیق کی برکت ہے۔ اور کس نے ان کی نبوت پر مُہر کی ہے کہ یہ اقوام مختلفہ کے لوگ حضرت عیسٰے علیہ السلام کی نبوت پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کی نبوت پر ایمان رکھنے کے لئے مکلف ہیں۔

اسی طرح یہود و نصاریٰ اپنی قوم کے بعض اولوالعزم انبیاء علیہم السلام کو انبیاء نہیں تسلیم کرتے جبکہ خود ان کی قوم کے لوگ ہی انکو نبی اللہ نہیں مانتے تو غیر قوموں کے لوگ کیونکر انکو نبی اللہ مانتے اور کس دلیل سے اور کس ذریعہ سے انکو نبی اللہ مانیں کیونکہ ان کی نبوت کا زمانہ گذر چکا ہے اب ان کے بیّنات دنیا کی نظروں کے سامنے موجود نہیں کہ اقوام غیر انکو دیکھ کر ان پر ایمان لائیں اور تاریخ اقوام غیر بھی ان کی نبوت کے متعلق شہادت نہیں دیتی اور خود ان کی قوم بھی ان کی نبوت پر ایمان نہیں رکھتی۔

مثلاً یہود و نصاریٰ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایک عظیم الشان بادشاہ تو مانتے ہیں

مگر نبی اللہ نہیں مانتے اب ہندو۔ بدھ۔ پارسی وغیرہ اقوام نے جو مسلمان ہو کر ان کو نبی اللہ مانا ہے کس دلیل اور کس ذریعہ اور کس کی تعلیم سے مانا ہے کیا حضرت سلیمان علیہ السلام کے بینات ان کے سامنے موجود تھے جسکی وجہ سے وہ ان کو نبی اللہ ماننے پر مجبور ہوتے یا یہود و نصاریٰ انکو نبی اللہ کہتے ہیں کہ جن کی دیکھا دیکھی وہ بیچارے ان کو نبی اللہ تسلیم کرتے حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے بھی حضرت سلیمان کو نبی نہیں بیان کیا کہ لوگ ان کے حکم سے جناب سلیمان علیہ السلام کی نبوت پر ایمان لاتے یا ایمان لانے پر مکلف ہوں۔ اہل ہنود یا اہل فارس یا بدھ مذہب کی تاریخ میں ان کی نبوت کے متعلق ایک حرف تک موجود نہیں پھر کس کی تعلیم کے اثر سے حضرت سلیمان کو نبی اللہ ماننے پر مجبور ہوں۔

یہ تو خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی برکت ہے کہ مختلف اسلامی قومیں حضرت سلیمان علیہ السلام کی نبوت پر ایمان رکھتی ہیں اور ان کو سچا نبی مانتی ہیں سید ولد آدم ؑ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی نبوت پر مُہر تصدیق فرما کر دنیا کے اقوام مختلفہ کو اسلام کے جھنڈے تلے جگہ دیکر ان سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی نبوت کو منوایا ہے۔

اسی طرح بعض انبیاء کرام علیہم السلام ایسے ہیں کہ ایک قوم تو ان کو نبی اللہ مانتی ہے مگر دوسری قوم ان کو یہ لقب دینا ناپسند کرتی ہے مگر سید ولد آدم علیہ السلام نے ان انبیاء کرام کی نبوت پر مُہر تصدیق فرما کر نبی اللہ ماننے والی قوم کے حق میں فیصلہ دیا ہے۔

ان انبیاء کرام علیہم السلام میں سے حضرت یحییٰ علیہ السلام کا وجود ہے کہ باوجود اسکے کہ وہ قوم بنی اسرائیل میں سے تھے مگر یہودی ان کو نبی اللہ نہیں مانتے اور نصاریٰ ان کو نبی اللہ جانتے ہیں حضرت خاتم النبیّین صلے اللہ علیہ وسلّم نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی نبوت پر مُہر تصدیق فرما کر فیصلہ بحق نصاریٰ دیا ہے۔

پس یہ تصدیق انبیاء ہے جس کی وجہ سے سید ولد آدم صلے اللہ علیہ وسلم کو درگاہ رب العزت سے خاتم النبیّین یعنی مصدق النبیّین کا خطاب[1] عطا ہوا ہے۔

[1] حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں خاتم النبیین کے معنی یہ ہیں کہ آپکی مہر کے بغیر کسی کی نبوت تصدیق نہیں ہو سکتی۔ جب وہ مُہر لگجاتی ہے تو کاغذ سند ہو جاتا ہے اور مصدقہ سمجھا جاتا ہے اسی طرح آنحضرت ؐ کی مُہر اور تصدیق جس نبوت پر نہ ہو وہ صحیح نہیں ہے۔ الحکم۔

کیا ہی حق ناشناس اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حق اور آپ کے منصب کو غصب کرنے والے وہ مسلمان ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ گذشتہ انبیاء آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مُہر کے نیچے نہیں!۔

چونکہ غیر قوم کے معزز رکن اور ممتاز فرد کی تصدیق بہ نسبت ہمقوم اور شریک خاندان کے دنیا کی نگاہ میں زیادہ قابل وقعت اور شائبہ غرض سے بعید ہوتی ہے۔ اس لئے اس حکیم علی الاطلاق جلت آلاؤہ نے انبیاء بنی اسرائیل کی تصدیق کے لئے (جیسا کہ تورات کے اس درس میں ہے۔ کہ خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا تم اس کی طرف کان دھریو) اس بات کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی تیرے لئے کے لفظ کے یہ معنی ہیں کہ اے بنی اسرائیل تیرے انبیاء کی تصدیق کے لئے اور تیری ہدایت کے لئے خدا تعالیٰ موسیٰ جیسا نبی صاحب شریعت برپا کرے گا) بنی اسمٰعیل کے چمکتے ہوئے خاندان بنی ہاشم کے دریتیم جناب خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کو مبعوث بالرسالہ فرمایا۔ تاکہ غیر اقوام کے لوگ یہ اعتراض نہ کر سکیں کہ بوجہ ہمقومی اپنے خویش و قبیلہ کے گذرے ہوئے بزرگوں کی مدح و ثنا کرتا ہے۔ اور لوگوں سے اپنے بزرگوں اور اسلاف کی نبوت منواتا ہے!۔ کیونکہ اگر حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسرائیل کے خاندان سے ہوتے تو ایک معترض کو اس اعتراض کا موقع مل سکتا تھا۔ کہ حضرت خود قوم بنی اسرائیل سے ہیں۔ اس لئے کہ خاندان کی عظمت دنیا پر ظاہر ہو۔ آپ اپنے اسلاف کی عظمت کی تصدیق کر رہے ہیں۔

مگر خدا تعالیٰ ایسے اعتراض کو اپنے حبیب پاک کی ذات اطہر پر کب وارد ہونے دیتا تھا۔ اس لئے محض اپنی حکمت کاملہ کے ماتحت اُس مقدس نبی کو بنی اسمٰعیل کے خاندان سے مبعوث فرمایا کہ جن کے ساتھ بنی اسرائیل کو صدیوں سے قومی عداوت چلی آتی تھی۔

سبحان اللہ وہ مبارک وجود کس قدر تعصب سے دور تھا۔ کہ جس نے

قدیمی قومی عناد کا مطلق لحاظ نہ کرکے احکام الٰہی کے ماتحت قوم بنی اسرائیل جیسی خاندان بنی اسمٰعیل کی جانی دشمن کے اسلاف یعنی انبیائے بنی اسرائیل کی نبوت کو نہ محض بنی اسمٰعیل سے بلکہ بنی حام اور بنی یافث کے متفرق قبایل سے منوا کے چھوڑا۔

لیکن بنی اسرائیل اور یہود و نصاریٰ کی قومیں کیا ہی احسان فراموش اور حق ناشناس ہیں جو ایسے خاندان بنی اسرائیل اور اسلاف بنی اسرائیل کے یعنی انبیاء بنی اسرائیل کے محسن کا احسان نہیں مانتیں - اور ان سے زیادہ وہ مسلمان مولوی دشمن عزت رسول ہے جو یہ کہتا ہے کہ انبیائے بنی اسرائیل یا گذشتہ انبیاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مُہر کے نیچے نہیں۔

چونکہ یہ مسلمہ اصول ہے کہ تصدیق کنندہ اس شخص سے جس کی تصدیق کیجاتی ہے اعزاز اور شرف میں فایق ہوتا ہے۔ کیونکہ درجہ میں مساوی کی تصدیق وقیع نہیں ہوتی۔ اس لئے مصدق الانبیاء کی عزت جملہ انبیاء سے فایق تر ہونی چاہیئے۔ دیکھو قرآن کریم باعتبار مصدّق لما معھم تمام کتب سماویہ کا مصدّق ہے۔ اسی تصدیق کے اعتبار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی نسبت فرمایا ہے اوتیت جوامع الکلم و خواتمہ جس کے معنے محمد طاہر مجمع بحار الانوار میں اس طرح پر لکھتا ہے حجۃ علی سائرھا و مصدق لھا۔ پس جب خاتمہ کا مفہوم مشعر تصدیق کتب سماویہ ہے تو خاتم النّبیّین کا مفہوم بھی مشعر مصدّق الانبیاء ہے۔

لیکن یہ مفہوم تصدیق مقتضی اس امر کا نہیں کہ آئندہ کوئی نبی نہیں ہوسکتا۔ بلکہ جس طرح سے خاتم النّبیّین کے معنی انبیاء گذشتہ کی مُہر تصدیق کیا جاتا ہے اسی طرح سے انبیاء آئندہ کی مُہر سند بھی کیا جاسکتا ہے۔

چونکہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کا روحانی ابوالمؤمنین یعنے ابوالنّبیّین ہونا پیشتر ثابت ہوچکا ہے۔ اب یہ دیکھنا باقی ہے کہ ابوت روحانی کے روحانی فرزندوں

میں سے کسی کا مشرف بہ نبوت ہونا بھی ممکن ہے یا نہیں؟ اور اگر ممکن ہے تو ان میں سے کسی کو نبوت کے درجہ تک فائز ہونیکی صلاحیت ہے بھی یا نہیں؟

پس شق اول کی نسبت عرض ہے کہ نبوت امر ممکن الوقوع ہے۔ اور ہر امر ممکن ممکن ہوتا ہے جب تک کہ کوئی برہان عقلی اس کے امتناع حدوث پر قائم نہ ہو۔ لیکن کوئی برہان عقلی نبوت آئندہ کے امتناع حدوث پر قائم نہیں ہوسکتی۔ اس لئے نبوت آئندہ بھی ممکن ہے۔

اب رہی دلیل شرعی ہمارے مخالف کتاب اللہ سے تو اس آیت خاتم النّبیّین کے سوا کوئی ایسا نص صریح قطعی الدلالۃ امتناع حدوث نبوت آئندہ کے لئے پیش نہیں کرسکتے۔ جس سے یہ ثابت ہو کہ اب آئندہ کے واسطے سلسلہ نبوت منقطع ہوچکا ہے۔ اور باب رسالت مسدود ہے۔ اور آیت خاتم النّبیّین کے معنی جو مخالف کرتے ہیں۔ ان سے بجائے اس کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت ثابت ہو ایک گونہ کسر شان متصوّر ہے۔ اس لئے وہ معنی محل تنازع ہیں اور امر محل تنازع سے احتجاج صحیح نہیں۔

اگر کہا جائے کہ مُہر آخر مکتوب میں ثبت کی جاتی ہے۔ اس لئے آیت خاتم النّبیّین انقراض سلسلہ نبوت پر دلالت کرتی ہے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوالانبیاء نہیں کہا جاسکتا۔

لیکن یہ اعتراض بالکل عدم واقفیت پر مبنی ہے۔ ابن خلدون لکھتا ہے:-

وقد یکون ھذا الختم آخر الکتاب او اوّلہ یعنی مُہر مکتوب کے کبھی اول میں اور کبھی آخر میں لگائی جاتی ہے۔

جب مُہر کا ابتداء میں بھی ہونا ثابت ہے جیسا کہ اکثر فرامین شاہی میں دیکھا جاتا ہے تو مُہر کو آخر مکتوب سمجھکر یہ کہنا کہ خاتم النّبیّین کی آیت انقراض سلسلہ نبوّت پر دلالت کرتی ہے۔ بالکل بے بنیاد ہے۔ اس لئے خاتم النّبیّین کے معنے ابوالانبیاء کرنا درست ہیں۔

(چہارم) خاتَم بالفتح بمعنی نہایت و تمام

انہیں معنوں کو مدنظر رکھکر لوگ اعتقاد رکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سلسلہ انبیاء علیہم السلام میں سے آخری نبی تھے۔ سو تشریف لا چکے۔ اب خواہ تشریعی ہو یا غیر تشریعی کوئی نبی نہیں آسکتا۔ نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ جیسا کہ طبری کی تقلید میں مفسر لکھتے چلے آتے ہیں۔ طبری لکھتا ہے کہ خاتَم بالفتح کے معنے آخر لینے کیلئے یہ دلیل ہے کہ قرآن کریم میں مختوم ختامہ مسک آیا ہے۔ اور اس کی دوسری قرءت مختوم خاتمہ مسک ہے۔ اور اس آیت میں خاتَم بالفتح کے معنی آخر کے ہیں۔ اس قیاس سے آیت خاتم النّبیّین کے لفظ خاتَم کے معنی بھی آخر ہی کے لینے چاہیئے۔ اور جب خاتَم کے معنی آخر کے ہیں۔ تو خاتم النّبیّین کے معنے آخر النّبیّین ہوئے۔ اور آخر النبیین کا مفہوم مانع نبوت نبی آیندہ ہے اور اگر کوئی نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آجائے تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تاخر جاتا رہیگا۔ اور مفہوم آیت تاخر پر دلالت کرتا ہے۔ پس خاتم النبیین کے معنی ہوئے الذی ختم النبوۃ فطبع علیہا فلا تفتح لاحد بعدہ الی یوم القیمۃ یعنی آپ کی ذات نے نبوت کو پورا کردیا اور اس پر مہر لگادی ہے۔ پس اب قیامت تک کسی کیلئے نہیں کھولی جائیگی۔

لیکن اوّل تو خاتَم بالفتح اور ختام کے معنی بھی ایک ہی ہیں یعنی سداد کے معنی ہیں جیسا کہ ابن خلدون لفظ خاتم کی نسبت لکھتا ہے وقد یطلق علی السداد الذی یسد بہ الاوانی یعنی کبھی لفظ خاتم کا اطلاق سداد پر بھی ہوتا ہے جس سے برتنوں کے منہ بند کئے جاتے ہیں۔ اب چاہے مختوم ختامہ پڑھو چاہے مختوم خاتمہ پڑھو معنی سداد کے ہیں۔ نہ آخر کے۔ جب مختوم خاتمہ مسک میں خاتم بالفتح آخر کے معنی نہیں دیتا۔ بلکہ سداد یعنی دہان بند ظروف کے معنی

دیتا ہے۔ تو اس آیت پر خاتم النّبیّین کا قیاس کرنا ایک ایسی آیت پر قیاس کرنا ہے جس کے معنے پہلے سے محل تنازع میں ہیں۔

(دویم) اگر کہا جائے کہ نہیں ختام کے معنے آخر کے ہیں۔ اور ایک قرءت دوسری قرءت کی تفسیر ہوتی ہے اور دوسری قرءت خاتمہ مسک ہے اس لئے پہلی قرءت کے مطابق خاتمہ کے معنی بھی آخر ہی کے لئے جائینگے۔ اور جب خاتم کے معنی آخر کے لئے جاسکتے ہیں۔ تو آیت خاتم النّبیّین میں اسی قیاس سے خاتم بالفتح کے معنی آخر کے لینے چاہیئے۔ تاکہ ایک آیت کی تفسیر دوسری آیت سے ہو جائے لیکن ابن خلدون تو ختامہ مسک میں ختام کے معنے آخر لینے کو سرے ہی سے غلط بتاتا ہے۔ چنانچہ لکھتا ہے قد غلط من فسر ھذا بالنھایہ والتمام وقال لان اخر مایجدون فی شرابھم ریح المسک ولیس المعنی علیہ یعنی جسنے ختام کی تفسیر اس آیت میں نہایت اور تمام کے ساتھ کرکے یہ کہا ہے۔ کہ وہ اپنی شراب کے آخر میں مسک کی خوشبو پائیں گے غلطی کھائی ہے۔ اور یہ معنی اس کے نہیں ہیں جب ختام کے معنی آخر کے لینے اس آیت میں سرے ہی سے غلط ٹھیرے تو خاتم بالفتح کے معنی بھی اس آیت میں آخر کے لینے غلط ہوئے۔ پس اس آیت کی بناپر خاتم النّبیّین کی آیت میں خاتم بالفتح کے معنی آخر یا نہایت یا تمام کے لینے بھی ٹھیک نہیں۔

(سویم) آیت ماکان محمّد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النّبیّین میں کوئی ایسا قرینہ موجود نہیں جس کی وجہ سے مُہر کے معنی چھوڑ کر خاتم کے معنی آخر کے لئے جائیں۔ کیونکہ خاتم بالفتح کے حقیقی معنی مایوضع علی الطینہ یعنی مہر کے ہیں۔ اور آخر کے معنی مجازی ہیں حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی معنی لینے کیلئے قرائن ثلاثہ میں سے کوئی قرینہ صارفہ عن الحقیقہ آیت میں موجود ہونا چاہیئے۔ بغیر قرینہ صارفہ عن الحقیقہ کے مجازی معنی نہیں لئے جا سکتے۔ اس لئے خاتم النّبیّین کے معنی مُہر کے لینے پڑتے ہیں اور آخر کے معنے لینے

محل تنازع ہیں۔

(چہارم) تمام قرآن کریم میں کوئی نص صریح قطعی الدلالہ ایسا موجود نہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر انبیاء ہونے پر یا انقراض سلسلہ نبوت پر دال ہو جس کی وجہ سے خاتم النبیّین کی آیت میں خاتم کے معنی مُہر کے چھوڑ کر آخر کے معنی لئے جائیں!۔

(پنجم) اگر بطریق تنزل یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ خاتم کے معنی نہایت اور تمام کے ہیں جیسا کہ ابن خلدون لکھتا ہے وقد یطلق علے النہایۃ والتمام۔ یعنی لفظ خاتم کا اطلاق کبھی نہایت اور تمام کے معنوں میں بھی ہوتا ہے۔

اب یہ دیکھنا ضروری ہے کہ جب خاتم کے معنے نہایت اور تمام کے لئے جاتے ہیں۔ تو اس مقام میں نہایت اور تمام کے معنی بس نہایت اور تمام ہی کے ہیں۔ یا اس نہایت اور تمام سے کچھ اور ہی مراد ہے۔ پس اس کا فیصلہ بھی خود ابن خلدون نے ہی کر دیا ہے کہ جب خاتم کے معنے نہایت اور تمام کے لئے جاتے ہیں۔ تو اس وقت نہایت اور تمام سے مراد صحت ہوتی ہے۔ یعنی یہ کہنا کہ مُہر کے لگنے سے مکتوب پورا ہو گیا۔ اس پورا ہونے کے یہ معنی ہیں کہ مکتوب اب صحت کو پہونچ گیا ہے۔ اور مُہر کے بغیر ادھورا اور ناتمام اور لغو تھا چنانچہ علامہ موصوف لکھتا ہے ویکون ھذا من معنی النہایۃ والتمام بمعنی صحۃ ذٰلک المکتوب ونفوذہ کان الکتاب انما یتم العمل بہ وھو من دونہا ملغی لیس بتمام لنفس الامر میں مُہر لگنے کے سوا کوئی نوشتہ پورا یعنی صحیح نہیں سمجھا جاتا۔ خواہ مُہر ابتداء مکتوب میں ہو جیسا کہ فرامین سلاطین میں دیکھی جاتی ہے۔ خواہ انتہا میں ہو۔ جیسا کہ عام خطوط میں پائی جاتی ہے۔ چنانچہ ابن خلدون لکھتا ہے۔ وقد یکون ھٰذا الختم اٰخر الکتاب اواولہ

اس صورت میں خاتم النبیّین کے یہ معنی ہوں گے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات انبیاء کو پورا کرنے والی یعنی ان کی نبوت کو پایہ صحت تک پہونچانے والی ہے!۔

پس باعتبار اس مفہوم کے بھی خاتم النبیّین کی آیت آئندہ آنے والے نبی کے لئے مانع نہیں ہو سکتی۔ بلکہ جس طرح سے انبیاء سابق کی کتاب نبوت آپ کی ذات سے نہایت اور تمام یعنی صحت کو پہونچی ہے۔ اسی طرح سے انبیائے لاحق کی کتاب نبوت آپ کی ذات سے نہایت اور تمام یعنی صحت کو پہونچے گی۔ غایت مافی الباب انبیائے سابق کی کتاب نبوت کے آخر میں اور انبیائے لاحق کی کتاب نبوت کے اول میں یہ مُہر زینت افزا ہے

(ششم) اگر نہایت وتمام کے یہ معنی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقصیٰ مدارج کمال کو پہونچنے کے سبب آخر النبیّین ہے۔ کہ دوسرا نبی اس سرحد کمال تک نہیں پہونچ سکتا اور نہ پہونچا ہے تو یہ بالکل ہمارے مدعا کے مطابق ہے۔ اور یہی ہمارا مذہب ہے۔

لیکن یہ مفہوم مانع بعثت نبی غیر تشریعی نہیں۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام جو نبی غیر تشریعی ہیں آیہ خاتم النبیّین اس اعتبار سے بھی ان کی بعثت کی مزاحم نہیں!۔

(پنجم) خاتم بالفتح بمعنی علامت

محمد طاہر مجمع بحار الانوار میں لکھتے ہیں وفی اعناقہم الخواتیم۔ اراد بہا اشیاء من ذہب اوغیرہ تعلق فی اعناقہم یعرفون بہا۔ یعنی ان کی گردن میں مہریں ہوں گی۔ اس ارشاد کے معنی یہ ہیں۔ کہ اہل جنت کی گردن میں سونے وغیرہ کی ایسی چیزیں لٹکتی ہوں گی جن سے وہ شناخت ہو سکیں گے۔

دوسری حدیث میں ہے۔ امین خاتم رب العلمین علی عبادہ المؤمنین یعنی آمین رب العالمین کی مہر ہے اس کے مومن بندوں پر۔ اس خاتم کی نسبت! محمد طاہر لکھتے ہیں۔ ای علامۃ التی تدفع عنہم الاعراض والعاھات۔ یعنی امین رب العالمین کی طرف سے ایک ایسی علامت خاص ہے جس کی برکت

سے مومنین بندوں سے مصیبتیں اور آفتیں دور ہو جاتی ہیں۔

تفسیر مجمع البیان طبرسی میں بذیل آیت ختم اللہ علیٰ قلوبھم لکھا ہے: قیل فی معنی الختم وجوہ احدھا ان المراد بالختم العلامۃ۔ یعنی ختم کے معنی میں کئی وجوہات

اب جبکہ خاتم کے معنی علامت ثابت ہو گئے تو اس صورت میں خاتم النبیّین کے معنی علامۃ النبیّین ہوئے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مستجمع الصفات ایک ایسی علامت ہے جس سے انبیاء کی شناخت ہوتی ہے یعنی آپ کی ذات معیار نبوت ہے۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ* جو نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر ہو وہ نبی ہے ورنہ کاذب ہے۔ یعنی جو علامت کہ خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے لئے رکھی ہے وہ معیار صداقت ہر نبی ہے۔ اگر وہ علامت دوسرے دعویدار نبوت میں پائی جائے تو وہ بھی صادق ہے ورنہ کاذب ہے۔

اب اس منہاج نبوت اور معیار صداقت رسل کو کتاب اللہ میں تلاش کرنا چاہیئے اور وہ علامت ایسی نمایاں ہونی چاہیئے کہ جس کو ایک معمولی سمجھ کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہو تاکہ سچے اور جھوٹے نبی میں امتیاز کر سکے۔ اور اس کو امتیاز کرنے میں کسی قسم کی دقت پیش نہ آئے۔

مثلاً دیکھو قرآن کریم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی ایک دلیل بیان کی ہے۔ اور وہ یہ ہے ولو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منہ بالیمین ثم لقطعنا منہ الوتین فما منکم من احد عنہ حاجزین "اگر باندھے ہم پر بعض باتیں البتہ پکڑ لیں ہم اس کا داہنا ہاتھ پھر کاٹ ڈالیں ہم اس کی گردن کی رگ پس نہ ہووے تم میں سے کوئی اس سے باز رکھنے والا۔ یعنی اگر ہماری طرف سے جھوٹ بنا کر باتیں بیان کرے تو ہم اس کو ہلاک کر ڈالیں"

اب غور کرو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کی طرف سے پیغمبر ہونے کا دعوی کیا۔ اور نزول وحی کے بعد آپ تئیس سال کے عرصہ تک دنیا میں تبلیغ کرتے

رہے۔ اور واللہ یعصمک من الناس کے وعدہ کے نیچے شر اعداء سے محفوظ اور ہر امر میں مظفر و منصور پیغام الٰہی پہونچاتے رہے۔ خود آنجناب کے عہد میں اور آنجناب کے عہد مبارک کے بعد بکثرت دعویداران نبوت پیدا ہوئے۔ مگر کسی نے تئیس سال مہلت نہ پائی!

یہ وہ کامل معیار اور درخشاں علامت ہے جس سے جھوٹے اور سچے نبی کی بلا تکلف شناخت ہو سکتی ہے۔ اور یہ وہ نشان ہے کہ ایک جاہل انسان اگر تعصب سے دور صادق اور کاذب نبی میں ایک ادنیٰ تامل کے ساتھ امتیاز کر سکتا ہے۔

اب ظاہر ہے کہ گذشتہ انبیاء نے دوبارہ دنیا میں تشریف نہیں لانا تھا کہ ان کی شناخت کے لئے علامت اور ان کی معرفت صداقت کے لئے معیار مقرر کیا جاتا وہ تو ما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل کے حکم محکم سے مظفر و منصور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اس دار ناپائیدار سے گذر چکے تھے۔ ان کی صداقت پر تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت سے مُہر ہو چکی تھی۔

اب تو دنیا میں نئے لوگوں کی آمد تھی۔ اور سچے مدعیوں کے علاوہ بہت لوگوں نے افتراء علی اللہ کرنا تھا۔ اس علیم وخبیر نے نبی صادق اور دعویداران نبوت کاذبہ کے امتیاز کے واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے زمانہ کو علامت نبوت صادقہ قرار دیکر حضور علیہ السلام کی ذات اطہر کو خاتم النبیّین یعنی علامۃ النبیّین کے خطاب سے یاد فرمایا۔

مگر خدا تعالیٰ کا جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو اس معزز خطاب یعنی خاتم النبیّین بمعنی علامۃ النبیّین سے یاد فرمانا ہرگز اس بات کی دلیل نہیں ہو سکتا کہ اب آیندہ کوئی نبی مبعوث نہیں ہو سکتا۔

بلکہ خاتم النبیّین بمعنی علامۃ النبیّین بجائے مانع نبوت آیندہ ہونے کے ایک آیندہ نبوت صادقہ کی بعثت کی دلیل ساطع ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر ہو۔ پس وہ نبوت صادقہ مصدوقہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

کی بنوت ہے جو ۱۸۸۲ء سے لیکر ۱۹۰۸ء تک ۲۶ سال کے عرصہ تک رہی چنانچہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام اربعین میں ارشاد فرماتے ہیں۔ "اگر کوئی شخص بطور افتراء کے مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ کرے تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مانند ہرگز زندگی نہیں پائیگا"

خاتم بالکسر

خاتم بکسر المثناۃ الفوقانیہ۔ جیساکہ دوسری قرءت میں ہے۔ اس کی بھی پانچ صورتیں ہیں۔

(اوّل) خاتم بالکسر بمعنی مُہر

جیساکہ لسان العرب میں ہے۔ الخاتم بفتح تاءہ وتکسر۔ اب خواہ خاتم النّبیّین بالفتح پڑھو خواہ بالکسر معنی تو مُہر ہی کے رہے ہے۔ اور اس کی پانچوں صورتیں مذکور ہوچکی ہیں تکرار کی ضرورت نہیں۔

جو لوگ خاتم بالکسر کے معنی کچھ اور سمجھتے ہوں۔ ان کو چاہیئے کہ آیت میں سے کوئی قرینہ اپنے معنوں کے لئے پیش کریں۔

مولوی محمدؐ علی صاحب کا یہ کہنا کہ (لغت کے اندر خاتم کے دونوں معنی آئے ہیں۔ مہر کے بھی اس کے معنی ہیں۔ لیکن دوسرے معنی خاتم کے بھی ہیں یعنی ختم کرنے والا۔ ان دونوں میں سے کون سے معنی لگ سکتے ہیں۔ اول تو خاتم النّبیّین کی دوسری قرءت خاتم النّبیّین بھی آئی ہے۔ جب ایک لفظ کی دو قرءتیں آجائیں۔ تو ایک کی مفسر دوسری قرءت ہوتی ہے جو اس کے معنوں کو وضاحت کردیتی ہے۔ انتہیٰ کلامہٗ)

بے شک دوسری قرءت میں خاتم بالکسر آیا ہے۔ اور یہ بھی درست ہے کہ ایک قرءت کی دوسری قرءت مفسر ہوتی ہے۔

لیکن (اول) تو مولوی صاحب کو یہ ثابت کرنا چاہیئے تھا کہ خاتم بالکسر کس صحابی کی قرءت ہے۔ کیونکہ یہ تو مسلم ہے کہ عاصم کے سوائے دوسرے قاری نافع وغیرہ بالکسر ہی پڑھتے رہے ہیں۔ مگر کسی صحابی کی روایت ان کی تائید میں پیش نہیں کی جاتی۔ اور عاصم کی قرءت کی تائید حضرت علی کرم اللہ وجہ کے اس قول سے ہوتی ہے اخرج ابن الانباری فی المصاحف عن ابی عبد الرّحمٰن السلمی قال کنت اقریٔ الحسن والحسین رضی اللہ عنھما فمر بی علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ وانا اقرئھما فقال لی اقرئھما خاتم النّبیّین بفتح التاء واللہ الموفق"

(تفسیر درمنثور) ابن الانباری مصاحف میں لکھتا ہے کہ ابو عبد الرحمٰن سلمی بیان کرتے ہیں۔ میں حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کو قرآن کریم پڑھایا کرتا تھا میں پڑھا رہا تھا کہ حضرت علی ابن ابی طالب میرے پاس سے ہو کر گذرے۔ فرمانے لگے ان دونوں کو خاتم النّبیّین بفتح پڑھا۔ خدا توفیق بخشنے والا ہے۔

اب ظاہر ہے کہ حضرت علی اقرء صحابہ تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلیم حاصل کی تھی۔ حضرت سے قرآن پڑھا تھا اور حضرت کو قرآن کریم کا ایک ایک لفظ کر کے سنایا تھا معلوم ہوتا ہے کہ آپنے خاتم النّبیّین بکسر التاء کی قرءت کو روک کر بفتح التاء کی قرءت کو کسی خاص وجہ سے بیان فرمایا ہے۔ اگر بکسر التاء کی قرءت بھی آپ کے نزدیک جائز ہوتی تو آپ ہرگز ابو عبد الرحمٰن سلمی کو بکسر التاء کے پڑھنے سے نہ روکتے۔ اور حضرت عثمان کے مصحف مبارک سے بھی یہی قرءت ثابت ہوتی ہے امام مطرزی المغرب میں لکھتے ہیں کان سلیمان الاعمش یقرء ختمًا ای بختم ختما علی حرف ابن مسعود وھو من مصحف عثمان رض یعنی سلیمان الاعمش بھی حضرت عبد اللہ ابن مسعود کی قرءت کے مطابق ...

(دوئم) چونکہ خاتم بالکسر کی تائید کسی صحابی کی روایت سے نہیں ہوتی۔ اس لئے بالجزم یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ قرءت صحیح ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا پڑھا بھی ہے یا نہیں۔ الغرض خاتم بالکسر کی قرءت یقینی نہیں بلکہ امر ظنی ہے۔ اور بالفتح کی قرءت یقینی اور متواتر ہے۔ اس لئے ایک یقینی امر کی تفسیر ایک ظنی امر کے ساتھ

... ختم النبیین اور بھی حضرت عثمان کے مصحف [illegible]

ان الظن لا یغنی من الحق شیئاً۔

(سوم) اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ کوئی صحابی خاتِم النبیّین بکسر التاء پڑھتا رہا ہے۔ اور یہ بھی گمان کر لیا جائے کہ شاید اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح سے پڑھتے سنا ہے۔ تو اس صورت میں خاتِم بالکسر کے معنوں کو لغت عرب میں تلاش کرنا پڑے گا۔

لیکن جبکہ قاموس لسان العرب منجد وغیرہ میں ہے الخاتم بفتح وتارۃ تکسر یعنی خاتم کا لفظ کبھی زبر سے اور کبھی زیر سے پڑھا جاتا ہے جس کے معنے ایک ہی ہیں الخاتم ما یوضع علی الطینۃ وحلی للاصبع کالخاتم والخاتام۔ یعنی خاتَم بالفتح وہ چیز ہے جو مٹی پر لگائی جاتی ہے اور انگلی کا زیور ہے جیسے کہ خاتِم بالکسر اور خاتام۔ اور صاحب منجد نے (الخاتَم والخاتِم) خط وحدانی میں لکھ کر جمع خواتم او خواتیم اور اس کے معنی حلی للاصبع لکھا ہے۔ یعنی خاتم کا لفظ خواہ زبر سے ہو یا زیر سے دونوں طرح مُہر کے معنی دیتا ہے۔ صراح میں ہے خاتَم بفتح التاء وخیتام بالیاء وخاتام بالالف انگشتری۔ پھر خاتم النبیّین کی آیت میں خاتِم بالکسر کے معنی مُہر کیوں نہ کئے جائیں۔ اور مولوی محمد علی صاحب کا بالجزم یہ کہنا کہ اس آیت میں خاتم کے ختم کرنے والے کے ہیں اور مُہر کے معنی نہیں ہیں سراسر تحکم ہے۔

جب اصح قرءت جمہور کے نزدیک خاتَم بالفتح ہے اور حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اور لغت عرب بھی اس کا موید ہے تو کیوں خاتِم بالکسر کے معنی مُہر کے نہ کئے جائیں۔ اور خاتِم بالکسر خاتَم بالفتح کی تفسیر کیوں نہ کہا جاوے کہ جس کے معنی مُہر کے ہیں۔ پس خاتِم بالکسر مثل طابع نسبۃ الفاعل الی الالۃ ہے جیسے سیفٌ قاطع دیکھو مفردات امام راغب۔ یعنی اسم آلہ بروزن اسم فاعل ہے۔

(دوم) خاتِم بالکسر اسم فاعل

اسم فاعل کی اس آیت کریمہ میں دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک تو (مُہر کرنیوالے) کی جو ختم یختمہ ختماً وختاماً ای طبعہ یعنی مُہر کردن کے باب میں سے ماخوذ ہے

دوم ختم الشیئ یختمہ ختماً ای بلغ آخرہ یعنی (بپایاں بردن) کے باب سے۔

شق دوم کی نسبت اکثر سطحی خیال لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ زیادہ قوی ہے۔ کیونکہ حسن اور عاصم کے سوائے دوسرے تمام قرائنے خاتِم بالکسر پڑھ کر یہی معنی لئے ہیں چنانچہ تفسیر طبری میں ہے۔ فقراء ذلک قراء الامصار سوی الحسن وعاصم بکسر التاء من خاتم النبیّین بمعنی انہ ختم ذکر ان ذلک فی قرءۃ عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ولکن نبیا ختم النبیّین فذلک دلیل علی صحۃ من قرءہ بکسر التاء بمعنی الذی ختم الانبیاء علیہ وعلیہم السلام یعنی امام حسن بصری اور عاصم کے سوائے شہروں کے دوسرے قاریوں نے خاتم النبیّین کو حرف التاء کی زیر سے پڑھا ہے یعنی آنجناب نے نبیوں کو ختم کیا ہے۔ اور بیان کیا ہے کہ چونکہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ولکن نبیا ختم النبیّین آیا ہے۔ یہ قرءت کسرۂ حرف تاء کی زیر کے ساتھ پڑھنے کی صحت کی دلیل ہے۔ اور خاتم بکسر التاء کے یہ معنی ہیں کہ آنجناب کی وہ ذات ہے جس نے انبیاء علیہم السلام کو ختم کیا ہے!۔

لیکن (اول) تو ظاہر ہے کہ خاتم النبیّین کو بکسر پڑھنے کی تائید میں بجز اس کے کہ حسن اور عاصم کے سوائے دوسری قاری پڑھتے رہے ہیں۔ کسی مفسر نے کسی صحابی کا قول پیش نہیں کیا۔ اور بالفتح پڑھنے کے موید حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما بیان کئے ہیں۔ جیسا کہ سابقاً بیان ہو چکا ہے!!

(دوم) محض حضرت عبد اللہ ابن مسعود رض کی قرأت شاذہ ولکن نبیاً ختم النبیین پر قیاس کر کے خاتِم النبیّین بکسر التاء لوگوں نے پڑھا ہے اگر بالصراحۃ کسی صحابی نے خاتِم النبیّین پڑھا ہوتا۔ تو علامہ ابن جریر ضرور اس کا نام اس مقام پر درج کرتا اور یہ نہ لکھتا فذلک دلیل علی صحۃ من قرءہ بکسر التاء دیکھو صاحب تفسیر مدارک نے بھی اس مقام پر کسی روایت کے پیش کرنے میں کیسا اپنا عجز ظاہر کر کے لکھا ہے۔ بکسر التاء بمعنی الطابع وفاعل الختم وتقویہ قرءۃ ابن

مسعود ولکن نبیا ختم النبیین یعنی خاتم بکسر التاء طابع یعنی مُہراور الختم کا فاعل ہے۔ اور حضرت ابن مسعود کی قرءت ولکن نبیّا ختم النّبیّین سے اس کی تقویت ہوتی ہے۔ اگر صاحب مدارک کو صدہا سال ابن جریر کے بعد ہوا ہے۔ خاتم النّبیّین بالکسر پڑھنے کے لیے کسی صحابی کا صریح قول مل گیا ہوتا تو ضرور وہ اس قول کو درج کر کے تقویۃ قرءۃ ابن مسعود نہ لکھتا۔

ان دونوں مفسروں کے سوائے علامہ جلال الدین سیوطی نے تفسیر الدر المنثور میں جہاں تفسیر بالماثور کا التزام کیا ہے۔ کسی صحابی کا قول خاتم النبیین بالکسر کے متعلق نقل نہیں کیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خاتم النّبیّین کی قرءت بالکسر . . . امر قیاسی ہے گو اس کو دیگر تمام قرء نے پڑھا ہو۔ اور اگر کوئی صاحب کسی مستند تفسیر سے کسی صحابی کا قول نکال کر پیش کرے تو حقیر بطور تحفہ اس کی خدمت میں فوراً مبلغ پانچ روپیہ پیش کر دے گا۔ اور نہایت ممنون ہو گا۔

(سوم) جس طرح الخاتم بالکسر ختم الشیئ یختمہ ختماً ای بلغ آخرہ کے باب کا اسم فاعل قرار دیکر پورا کرنے والے کے معنی لئے جا سکتے ہیں ویسے ہی ختم یختمہ ختماً وختاماً ای طبعہ کے باب کا اسم فاعل قرار دیکر (مہر کرنے والے کے معنوں میں بھی لئے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ مصباح المنیر میں ہے۔ الخاتم بالکسر الفاعل وبالفتح ما یوضع علی الطینۃ والختام الذی یختم علی الکتاب یعنی خاتم بالکسر مہر کرنے کے باب میں سے اسم فاعل ہے اور بالفتح مہر ہے۔ اور ختام اس چیز کو کہتے ہیں جو نوشتہ پر لگائی جاتی ہے۔

پس بالجزم نہیں کہا جا سکتا کہ خاتم النّبیّین میں خاتم بالکسر ختم الشیئ یختمہ ختماً ای بلغ آخرہ کے باب کا اسم فاعل ہے اور باب ختم یختمہ ختماً وختاماً ای طبعہ کا نہیں ہے۔

(چہارم) جبکہ لفظ الختم جیسا کہ صدر میں بیان ہو چکا ہے۔ دونوں معنوں میں متعدی بنفسہ ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ ابو البقا کلیات میں لکھتا ہے۔ الختم یستعمل تارۃ متعدیا بنفسہ وتارۃ بعلی۔ تو حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرءت ولکن نبیّاً ختم الانبیاء میں ختم کے معنی (مُہر کرد) کے معنی کیوں نہ کئے جائیں۔ دیکھو مطرزی المغرب میں لکھتا ہے:۔ ختم الشیئ وضع علیہ الخاتم پس ختم الانبیاء کے معنی وضع علی نبوۃ الانبیاء خاتم التصدیق ہی ہیں۔

سوئم خاتم بالکسر بمعنی صاحب الختم

جیسے تامر بمعنی صاحب تمر صراح میں ہے۔ تامر خداوند تمر مثل لابن اے ذو لبن سیبویہ اور خلیل کہتے ہیں۔ یہ اسم فاعل نہیں ہیں بلکہ ان کا اشتقاق لبن اور تمر سے ہے۔ اور یہ دو لفظ ہی نہیں بلکہ ان کی مثالیں زبان عرب میں بکثرت موجود ہیں جیسے شاعر شعر سے طالق طلق سے اور حایض حیض سے اور حامل حمل سے۔ اور دارع درع سے اور عالق علق سے۔ اے ذات طلق وذات حیض وذات حمل وذو درع اور ذو علق۔ چنانچہ کہتے ہیں ماء عالق اے ذو علق۔ انہیں اسماء پر خاتم کا بھی قیاس کیا جا سکتا ہے کہ شاید ذو ختم ہو کیونکہ لفظ ختم بسکون التاء اور بفتح التاء دونوں طرح سے مہر کے معنی دیتا ہے۔ جیسا کہ حافظ زین العراقی کی نظم اور صاحب قاموس کی تصریح سے ظاہر ہے تاج العروس میں ہے۔ خذ نظم لغات الخاتم انتظمت۔ ثمانیا ما حواھا قبل نظامی خاتام خاتم ختم وختام۔ خاتیام وخیتوم وخیتام وہمزۃ مفتوح تا تاسع وافا۔ نساغ القیاس اتم خأتام۔ صاحب تاج العروس لکھتا ہے ولم یذکر الناظم ختما محرکۃ وقد ذکرہ المصنف وابن سیدہ وابن ھشام فی الکعبیہ یعنی ختم بسکون التاء کو ناظم ابیات حافظ زین العراقی نے درج نظم کیا ہے۔ مگر ختم بحرکت التاء کو ذکر نہیں کیا۔ اور مصنف یعنی صاحب قاموس اور ابن سیدہ نے اور

ابن سیدہ نے اور ابن ہشام نے کعبیہ میں ذکر کیا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ خاتم بفتح التاء اور ختم دونوں متحد المعنی ہیں۔ اور دونوں کے معنے مہر کے ہیں۔ اس صورت میں تامر اور لابن اور طالق اور عاتق اور دارع کی طرح بالکل اسم فاعل نہیں بلکہ ذوختم یعنی صاحب مہر اور خداوند مہر کے معنی دیتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی حقیقۃ الوحی میں ان معنوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں اللہ جل شانہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صاحب خاتم بنایا۔ یعنی آپ کو افاضۂ کمال کے لئے مہر دی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تین طرح سے خاتم یعنی ذوختم اور خداوند مُہر تھے۔

(اول) خداوند مُہر نبوت۔ جیسا کہ ترمذی میں ہے۔ عن الجعد ابن عبد الرحمٰن قال سمعت السائب ابن یزید یقول ذھبت بی خالتی الی النبی صلے اللہ علیہ وسلم فقالت یا رسول اللہ ان ابن اختی وجع فمسح براسی ودعالی بالبرکت وتوضاء فشربت من وضوئہ فقمت خلف ظہرہ فنظرت الی الخاتم بین کتفیہ فاذا ھو مثل زر الحجلۃ۔ جعدہ بن عبدالرحمٰن کہتا ہے۔ میں نے سائب ابن یزید کو کہتے ہوئے سنا کہ میری خالہ مجھکو جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں لے گئی۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ میرے بھانجے کے سر میں درد ہے۔ حضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور برکت کی دعا فرمائی۔ اور آپ نے وضو کیا۔ میں اٹھکر آپ کے پس پشت ہوگیا۔ اور اس مُہر مبارک کو دیکھا جو آپ کے دونوں شانوں کے درمیان مثل چکور کے انڈے کے تھی۔

عن جابر ابن سمرہ قال کان خاتم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یعنی الذی بین کتفیہ غدۃ حمراء مثل بیضۃ الحمامۃ ھذا حدیث حسن صحیح۔ جابر ابن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب سالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں شانوں کے

درمیان مُہر تھی یعنی ایک سرخ رنگ گوشت کا ابھار مثل کبوتر کے انڈے کے تھا۔ یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔

لمعات میں ہے وفی روایۃ کبیضۃ حمام مکتوب فیہ اللہ وحدہ لا شریک لہ توجہ حیث شئت فانک منصور وفی روایۃ کان نورا یتلالاء۔

ایک روایت میں ہے کہ کبوتر کے انڈے کی طرح تھی۔ جس میں لکھا ہوا تھا اللہ ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں تو جہاں چاہے توجہ کر پس تو فتحمند ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اس سے نور چمکتا تھا۔ مجمع بحار الانوار میں محمد طاہر لکھتے ہیں ذکرت امہ انہ لما ولد غمسہ الملک فی ماء اتبعہ ثلث غمسات ثم اخرج صرۃ من حریر ابیض فاذا فیھا خاتم فضرب بہ علی کتفہ کالبیضۃ المکنونۃ تضیئ کالزھرۃ وقیل ولد معہ قیل کان المکتوب فیہ توجہ حیث شئت فانک منصور۔ آپکی والدہ ماجدہ آمنہ خاتون فرماتی ہیں کہ جب آپ تولد ہوئے فرشتہ نے تین دفعہ آپ کو غسل دیا پھر سفید ریشم کی تھیلی نکالی۔ اس میں ایک مہر تھی۔ آپ کے کندھے پر لگائی جو محفوظ انڈے کی طرح تھی۔ اس سے ستارہ زہرہ کی طرح نور چمکتا تھا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ مُہر مبارک حضور علیہ السلام کے ساتھ بطن مادر سے تولد ہوئی تھی یعنی فطری تھی۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ اس میں لکھا ہوا تھا جہاں چاہے توجہ کر تحقیق تو فتحمند اور ظفریاب ہے۔

پس اس صورت میں خاتم النبیین کے یہ معنی ہوں گے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام کے درمیان صاحب مہر نبوت ہیں۔ اور آپ کے سوا کوئی خداوند مہر نبوت نہیں۔ لیکن صاحب مہر نبوت ہونا کسی آیندہ نبی کی نبوت کا مانع نہیں کہ مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت تسلیم کرنے کا مانع ہو۔

(دوم) خداوند مُہر باعتبار مہر انگشتری۔ ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی نبی نے اپنے نام کی مہر کندہ نہیں کرائی۔ خاتم سلیمانی کا نام افسانہائے باستان میں درج ہے۔ قرآن کریم کی آیات سے اس کا پتہ نہیں چلتا۔ جناب رسول

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر مبارک کا ذکر صحیحین میں موجود ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل کی طرف خط لکھنے کا ارادہ کیا۔ اور مہر کندہ کرائی۔ بعد وفات حضور علیہ السّلام کے حضرت ابوبکر رضہ کے پاس رہی۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس رہی ۔ اور ان کے شہید ہونیکے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بیر اریس میں گر گئی اور گم ہو گئی۔

اس صورت میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صاحب مُہر ہونا کسی آیندہ نبی کی نبوت کا مانع نہیں ہو سکتا۔ کہ حضرت مسیح موعود کو نبی اللہ نہ تسلیم کیا جائے۔

(سویم) خداوند مہر بمعنی سلطان۔ کیونکہ مہر شارۃ سلطانیہ یعنی شاہی زیورات میں سے اعلیٰ نمبر کا شارۃ سمجھا جاتا ہے جس کی نسبت ابن خلدون لکھتا ہے دیلبسہ السلطان شارۃ فی عرفہم یعنی بادشاہ مُہر کو پہنتا ہے۔ اور بادشاہوں کی عرف میں شارۃ یعنی نشان سلطنت میں سے شمار ہوتی ہے حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بادشاہ ہی مہر رکھنے کی اجازت عطا فرمائی ہے۔ نہی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن لبس الخاتم الا لذی سلطان ای اذالبس لغیر حاجۃ وکان للزینۃ المحضنۃ فکرہ کذلک ورخصہا للسلطان لحاجتہ الیہا فی ختم الکتب اور مجمع بحار الانوار میں ہے۔ والنہی محمول للزینۃ المحضنۃ لا یشوبہا مصلحۃ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہ کے سوائے جو شخص محض زینت کیلئے انگوٹھی پہنے اس کو حرام فرمائی ہے۔ اور بادشاہ کو اس وجہ سے رخصت دی ہے۔ کیونکہ بادشاہ کو خطوط اور فرامین پر مُہر کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔

قبل ازیں ثابت ہو چکا ہے کہ خاتم بالکسر کے معنی خداوند مہر کے بھی ہو سکتے ہیں۔ اور خداوند مُہر سلطان ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف سے ثابت ہے پس اس توجیہ کے رو سے خاتم النّبیّین کے معنے سلطان النبیین کے ہوئے۔

لیکن سلطان النّبیّین کا مفہوم بے شک سید المرسلین ہونے پر تو دال ہے۔ مگر آیندہ آنے والے نبی کی نبوت کا مانع نہیں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت تسلیم کرنے میں تامل کیا جائے۔

چہارم خاتم بالکسر بمعنی مختوم!

اہل عرب کبھی اسم فاعل کو اسم مفعول کے ساتھ اور کبھی اسم مفعول کو اسم فاعل کے صیغہ کے ساتھ تعبیر کر لیتے ہیں۔ صرف میں جہاں اسم مفعول کے اوزان فعول اور فعیل وغیرہ لکھے ہیں۔ وہاں فاعل کا وزن بھی درج ہے۔ جیسے سر کاتم ای مکتوم ومکان عامر ای معمور وحرم امن ای مامون جریر کہتا ہے ان البلیۃ من تمل کلامہ۔ فانقع فوادک من حدیث الوامق۔ اے من حدیث الوموق۔ قرآن کریم میں ہے۔ خلق من ماء دافق۔ ای مدفوق اور دوسری آیت میں ہے۔ عیشۃ راضیۃ ای مرضیۃ۔

اور مفعول بمعنی فاعل۔ جیسے کان وعدہ ماتیا ای اٰتیا۔ اور حجاب مستورا ای حجاب ساترا۔

پس اس صورت میں مناسبۃ بین المتعاطفین باعتبار مفعولیت مضاف ہی بھی رسول بھی صیغۂ مفعول ہے اور خاتم بالکسر بھی صیغہ مفعول ہے اور اضافۃ مفعول بجانب فاعل ہے جیسے صریع الغوانی میں اور خاتم النّبیّین کے معنی مختوم النّبیّین کے ہیں۔ یعنی الذی ختم علی صدق دعوتہ النبیون۔ جس کا ثبوت اس آیت کریمہ سے ملتا ہے۔ واذ اخذ اللہ میثاق النّبیّین لما اتیتکم من کتاب وحکمۃ ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ ولتنصرنہ قال اقررتم واخذتم علی ذلکم اصری قالوا اقررنا قال فاشہدوا وانا معکم من الشاہدین۔ بعض صحابہ کرام کا یہ مذہب ہے کہ اس آیت کریمہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خداتعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسیٰ ابن مریم

علیہ السلام تک جتنے نبی گذرے ہیں سب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور ان کی مدد کرنے کا یہ عہد لے لیا تھا۔ کہ اگر رسول کریم ان کے عہد میں مبعوث ہوں تو ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا پڑے گا۔ علامہ[۱] جلال الدین السیوطی تفسیر الدر المنثور میں لکھتے ہیں۔ اخرج ابن جریر عن علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ قال لم یبعث اللہ نبیا من لدن آدم فمن بعدہ الا اخذ علیہ العھد فی محمد صلی اللہ علیہ وسلم لئن بعث وھو حی لیؤمنن بہ ولینصرنہ ویامرہ لیاخذ العھد علی قومہ۔ چونکہ[۲] خدا تعالی بغرض تفہیم اپنے خاص بندوں سے انہیں کے الف وعادت کے مطابق کلام کرتا ہے۔ لہذا انبیاء علیہم السلام کے اس عہد ومیثاق کو اس آیت میں لفظ ختم یعنے مہر کرنے کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے۔ کیونکہ مہر منجملہ تتمہ مواثیق ہوتی ہے۔ اس لئے جناب رسول کریم کی ذات بابرکات کو مختوم النبیین سے تعبیر فرمایا ہے۔

تاکہ لوگوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعت شان اور افضلیت علی سائر الرسل ظاہر ہو۔

مگر اس مفہوم سے بھی یہ امر بالکل خارج ہے کہ کوئی نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو آنحضرت کا مطیع اور تابع اور مصدق ہو۔ اب قیامت تک مبعوث بالرسالۃ نہیں ہو سکتا۔

جس طرح سے حضرت مسیح موعود کی نزولی بعثت از روئے احادیث صحیحہ مسلم ہے۔ اور بجز شرذمہ قلیلہ کے مذاہب مختلفہ اسلامیہ میں سے کوئی اس کا منکر نہیں۔ اسی طرح اس عظیم الشان انسان کے نبی اللہ ہونے پر تمام فرقہ ہائے اسلامیہ

[۱] زرقانی جلد ۵ صفحہ ۲۶۱ میں ہے۔ ان یکن النبی حیا فی بعثتہ نبینا فلابد ان یؤمن بہ ولینصرن [۲] حضرت مسیح موعود علیہ السلام ضمیمہ براہین احمدیہ صفحہ ۱۳۵ پر تحریر فرماتے ہیں۔ کہ قرآن سے ثابت ہے کہ ہر نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں داخل ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالے فرماتا ہے لتؤمنن بہ ولتنصرنہ پس اسی طرح تمام انبیاء علیہم السلام آنحضرت کی امت ہیں

کا اجماع ہے اور احادیث صحیحہ اس کی موید ہیں۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ سے کسی نے بھی ان کی نبوت سے انکار نہیں کیا۔

پس مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت کا منکر منکر احادیث صحیحہ اور خارج اجماع اور من شذ شذ فی النار کی وعید کے ماتحت ہے۔

(پنجم) خاتم بالکسر بمعنی خاتمہ وآخر القوم!

انہیں معنوں پر لوگ زور دیتے ہیں کہ ختم کے معنی لغت میں بلغ آخرہ اور خاتم کل شیء معنی خاتمۃ وعاقبتہ وآخرہ کے ہیں۔ اس لئے خاتم النبیین کے معنی آخر النبیین ہی ہو سکتے ہیں۔ جس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔ جس کو تمام محدثین نے طرق متعددہ سے روایت کیا ہے اور ابن عبد البر نے استیعاب میں اس کو اثبت الاخبار کہا ہے۔ عن[۱] سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلی انت منی بمنزلۃ ھارون من موسی الا انہ لا نبی بعدی۔ متفق علیہ۔ اگر حضرت کے بعد کسی نبی نے آنا ہوتا تو آپ **لا نبی بعدی** نہ فرماتے؟۔

دوسری حدیث میں ہے۔ عن[۲] عقبہ بن عامر قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو کان نبی بعدی لکان عمر۔ چونکہ آنحضرت کے بعد کسی نبی نے نہیں آنا اس لیئے خاتم النبیین کے معنی خاتمۃ النبیین اور آخر النبیین ہی کرنے چاہیئے۔ اور انہیں معنوں کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ جس کو خطیب اور دیلمی اور ابن جوزی نے روایت کیا ہے۔ ھل[۳] عمک ان جعلتک آخر النبیین۔

پس جبکہ خاتم النبیین کے معنی آخر النبیین حدیث شریف سے ثابت ہیں تو پھر کس طرح سے مسیح موعود کو نبی اللہ تسلیم کیا جاسکے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حدیث لا نبی بعدی کی نسبت کچھ عرض

کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس حدیث میں دو لفظ روایت ہوئے ہیں۔ ایک لفظ لا۔ اور دوسرا لفظ بعدی۔ اور یہ دونوں قابل غور ہیں۔

(لا)

یہ حرف نفی جنس کے لئے ہے۔ کبھی اس سے مدخول کے وجود کی نفی مراد ہوتی ہے جیسے لا الٰہ میں اس کو نفی صحت کہتے ہیں۔

اور کبھی اس سے مدخول کے فائدہ اور نفع کی نفی مراد ہوتی ہے۔ جیسے کوئی صاحب اولاد اور مالک مال یہ کہے لا ولد لی ولا مال لی یعنی بیٹا تو موجود ہے اور مال بھی موجود ہے۔ لیکن ان دونوں کے وجود سے مجھکو کچھ نفع حاصل نہیں ہے۔ اور یہ دونوں میرے کارآمد نہیں ہیں۔ اس کو نفی النفع کہتے ہیں

اور کبھی اس لا کے مدخول سے اس کی مثل کی نفی مراد ہوتی ہے۔ جیسے لا فتی الا عمرو ابن نقن کی مشہور ضرب المثل ہے۔ یعنی جوان مرد اور بھی تو ہیں مگر عمرو بن نقن جیسا کوئی نہیں۔ اس سے یہ مراد ہرگز نہیں لی جا سکتی کہ عمرو بن نقن کے سوا اب دنیا میں کوئی جوان مرد نہیں ہے اور نہ پیدا ہو سکتا ہے۔ لا سیف الا ذوالفقار سے حضرت کی یہ منشا تھی کہ دنیا میں ایک ذوالفقار ہی تلوار ہے اور ذوالفقار کے سوا کوئی تلوار کسی کے پاس موجود نہیں دیکھو بخاری شریف میں ہے۔ عن جابر ابن سمرۃ رفعہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا ھلک کسریٰ فلا کسریٰ بعدہ واذا ھلک قیصر فلا قیصر بعدہ

اب یہ ظاہر ہے کہ جب قیصر ہرقل مر گیا تو اس کا بیٹا ہرقلوس اور ہرقلوس کے بعد رومیہ کبریٰ کے متعدد بادشاہ قیصر ہی کے خطاب سے پکارے جاتے رہے ہیں۔ پس اذا ھلک قیصر فلا قیصر بعدہ کے معنی بجز اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتے۔ کہ جب قیصر ہرقل مر جائیگا تو دوسرا قیصر اس کے مرتبہ کا نہیں ہوگا۔ یہ معنی کوئی جدید نہیں ہیں نہ ہمارے طبعزاد ہیں۔ خطابی نے بھی یہی معنی کئے ہیں۔ فتح الباری میں ہے۔ قال الخطابی معناہ فلا قیصر بعدہ یملک

مثل ما یملک (باب علامات النبوۃ فی الاسلام۔ الجزو السادس)

عربی میں نفی جنس بمعنی نفی مثلیت کی مثالیں بکثرت موجود ہیں۔ الغرض لا نبی بعدی میں لا کے مدخول کے وجود کی نفی مراد نہیں۔ بلکہ لا کے مدخول کے مثل کی نفی مراد ہے۔ ای لا نبی مثلی بعد۔ یعنی میرے جیسا نبی میرے بعد نہ ہوگا۔

سابقاً بیان ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مثیل موسیٰ علیہ السلام تھے۔ باوجودیکہ حضرت موسیٰ کے بعد صدہا انبیاء بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسا کوئی نبی صاحب شریعت ان میں برپا نہیں ہوا جیسا کہ توراۃ میں ہے۔ لم یقم بعد نبیؐ فی اسرائیل مثل موسیٰؑ۔ ایسے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کوئی نبی صاحب شریعت اب قیامت تک برپا نہیں ہو سکتا۔ فرق اتنا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کافۃ للناس نہیں تھی۔ بلکہ بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ کے بعد حضرت موسیٰ جیسا نبی نہیں مبعوث ہوا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کافۃ للناس ہے اس لئے کسی قوم میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسا نبی نہیں آ سکتا۔

اس حدیث میں لا کے محض مدخول کے وجود کی نفی مراد لینے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت اس صورت میں نمایاں ہوتی ہے کہ لفظ بعد کا تعلق حضور علیہ السلام کے عہد مبارک سے مخصوص سمجھا جائے

(بعد)

یہ لفظ ظرف ہے۔ اور ظرف کا انحصار مکان اور زمان میں ظاہر ہے۔ تاج العروس میں ہے۔ وبعد ضد قبل وکلا منھما ظرف زمان کما عرف فی العربیۃ ویکونان للمکان عند النحاۃ۔ اب اگر اس حدیث میں بعد بمعنی ظرف مکان لئے جائیں تو حدیث کی تاویل یا تو یوں ہوگی لا نبی تحت مکانی۔ اول تو یہ معنی خلاف منشاء سید ولد آدم ہیں۔ دوم مفید منشاء مخالف نہیں۔ اور یا ظرف مکان بمعنی فوق لیکر اس کی تاویل یوں کی جائے لا نبی فوق مکانی ای

فوق هرشئ - ہم کو ان معنوں کے تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہیں - کیونکہ ہمارا اعتقاد ہے کہ حضور علیہ السلام سے کسی نبی کا مرتبہ اونچا نہیں - لیکن یہ معنی بھی مفید منشاء مخالف نہیں -

لہذا مجبوراً ظرف زمان ہی کے معنی لینے پڑتے ہیں - اب اس کی دو صورتیں ہیں :-

(۱) نفی نبوت مطلقہ -

(۲) نفی نبوت مقیدہ -

اگر حضور علیہ السلام کا منشاء نفی نبوت مطلقہ کے متعلق ہوتا - تو آنجناب وضاحت کے ساتھ ان معنوں کو ایسے الفاظ میں بیان فرماتے - جن سے کہ لا نبی فی حیاتی ولا بعد مماتی الی یوم القیامۃ کے معانی ظاہر ہو سکتے -

لیکن اس افصح عرب وعجم نے ایسا ارشاد نہیں فرمایا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت کا منشاء نبوت مطلقہ کی نفی کے متعلق نہیں تھا - ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم - - حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو نبی کے لقب سے یاد نہ فرماتے - جیسا کہ حدیث مسلم میں ہے - انی اولی الناس بعیسیٰ بن مریم لم یکن بینی و بینہ نبی وانہ نازل -

الغرض اس حدیث سے نبوۃ مطلقہ کی نفی ہرگز ثابت نہیں ہوتی - اب رہی دوسری صورت یعنی نبوت مقیدہ کی نفی - سو اس کی بھی دو صورتیں ہیں -

(الف) نفی نبوت بزمانہ حیات -

(ب) نفی نبوت بعد زمانہ وفات -

ظاہر ہے کہ نفی نبوت بزمانہ حیات کی قید لگانے سے زمانہ بعد وفات آزاد رہیگا اور نفی نبوت بعد زمانۂ وفات کی قید عاید کرنے سے زمانہ حیات خارج رہیگا -

لیکن شق ثانی باطل ہے - یعنی نفی نبوت بعد زمانہ وفات کی قید لگا کر حضور علیہ السلام کے زمانہ حیات کو خارج رکھنا یہ معنی رکھتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات

کے بعد تو نبی نہیں ہو سکتا - مگر حضرت کی حیات میں نبی ہو سکتا ہے - مگر یہ تو بدیہی البطلان ہے -

کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد حیات میں بجز آنجناب کے کوئی نبی برحق نہیں تھا - اور جس نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا وہ مفتری علی اللہ تھا -

لہذا نفی نبوت بعد زمانۂ وفات کی قید لگا کر حضور علیہ السلام کے زمانہ حیات کو اس سے خارج رکھنا خلاف منشاء حدیث ہے - ناچار نفی نبوت غیر بزمانہ حیات سرور عالم کی قید لگا کر زمانہ بعد وفات کو اس قید سے خارج رکھنا پڑیگا - اور اس صورت میں لا نبی بعدی کے یہ معنی ہوں گے - کہ میری حیات میں - یہ تاویل سراسر مطابق منشاء آنحضرت ہے - کیونکہ حضرت موسیٰ نے حضرت ہارون کی بابت جناب باری کی درگاہ میں واشرکہ فی امری کی دعا کی تھی - اور خدا تعالیٰ نے ان کی استدعا کے مطابق حضرت ہارون کو اس کا شریک فی الامر بنایا تھا - جیسا کہ قال قد اوتیت سؤلک یا موسیٰ ولقد مننا علیک مرۃ اخری (پ۱۶ ع ۱۱) سے ظاہر ہے - اور جب کبھی حضرت موسیٰ طور پر تشریف لیجاتے تو حضرت ہارون کو اخلفنی فی قومی (پ۹ ع ۹) فرما کر اپنا خلیفہ مقرر کر جاتے - اور حضرت ہارون کار نبوت انجام دیتے رہتے - حضرت موسیٰ حضرت ہارون کو اس لئے اپنا خلیفہ بنا جاتے کہ قوم بنی اسرائیل پریشان ہو کر کوئی فساد برپا نہ کر دے - اور جادۂ شریعت کو چھوڑ کر گمراہ نہ ہو جائے - جیسا کہ ان کی گوسالہ پرستی سے ظاہر ہے اور یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد لگاتار بنی اسرائیل میں انبیاء مبعوث ہوتے رہے ہیں تاکہ ان کو تعلیم دین کا سبق یاد کراتے رہیں -

چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کے فساد کا مطلق اندیشہ نہیں تھا کیونکہ اعملوا ما شئتم ان کے حق میں نازل ہو چکا تھا - اور ان کے معتقدات کی بنیاد مضبوط چٹان پر جم چکی تھی - جس کی وجہ سے حضرت نے بھی ان کو انتم خیار اهل الارض کی سند عطا کر دی تھی - ان میں خلیفہ بنانے کی ضرورت

تعلیم دین کے سبق یاد کرانے کی ضرورت نہیں تھی۔ کیونکہ اصحابہ کلہم عدول تھے۔ اور مجتہد تھے۔ بلکہ محض اس لئے ضرورت تھی کہ کفار قریش اور یہود مدینہ ان کو نہ ستائیں۔ اور اسی وجہ سے آنحضرت کے فرض منصبی میں کوئی شریک فی الامر نہیں تھا۔ لہذا آں حضرت نے لا نبی بعدی ارشاد فرمایا کہ میرا خدا تعالٰے نے کوئی شریک فی الامر نہیں بنایا۔ اس لئے میرے تبوک پر جانیکے بعد کوئی شخص کار نبوت نہیں انجام دیگا۔ کیونکہ صحابہ خود مجتہد ہیں۔ ان کو میری غیبت میں نبی کی ضرورت نہیں۔ مسایل دینیہ جس قدر نازل ہو چکے ہیں۔ ان کی کنہ سے وہ کما حقہٗ عارف ہیں۔ ان کے فساد فی الاعتقاد اور فی العمل کا مطلق اندیشہ نہیں۔ بے شک یا علی تم میرے بعد ظاہری انتظام کیلئے ایسے ہو جیسے کہ حضرت ہارون علیہ السلام تھے۔ لیکن بنی اسرائیل کو بوجہ ان کے خامی کے ہر وقت مصلح کی ضرورت تھی۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے حضرت ہارون کو نبی مقرر فرمایا تھا اور میرے صحابہ پختہ کار ہیں علوم دینی کے ماہر ہیں ان کو میرے بعد نبی کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ اسی وجہ سے خدا تعالیٰ نے مسیح موعود کو صحابہ کے بہت زمانے کے بعد مبعوث فرمایا۔

بنی اسرائیل میں بوجہ ان کی غفلت کے خدا تعالیٰ کو بار بار ان کی تنبیہہ کیلئے مصلح کے مبعوث کرنیکی ضرورت پیش آتی تھی۔ کیونکہ وہ قوم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم کو بھول جاتی تھی۔ اور صحابہ کرام میں بوجہ ان کی بیداری کے خدا تعالٰے کو ان کی تنبیہہ کے لئے مصلح کے مبعوث کرنیکی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔ کیونکہ وہ قوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کو نہیں بھولتی تھی۔

یہ ایک بھید ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک یکی بعد دیگر انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لاتے رہے ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام تک جب تک علماء مثل یہود نہیں بن گئے (کوئی نبی) اسلام میں مبعوث نہیں ہوا۔

دوسرے لفظ قبل و بعد کے بعد کوئی نہ کوئی مصدر مقدر ہوتا ہے جیسے

جئت بعدک ای جئت بعد مجیئک یا بعد ذھابک وغیرہ۔ قرآن کریم میں ہے ثم اتخذتم العجل من بعدہ۔ اے بعد ذہاب موسیٰ چنانچہ۔

(۱) تفسیر مدارک میں ہے۔ ثم اتخذتم العجل من بعدہ بعد ذھابہ الی الطور۔

(۲) تفسیر ابن عباس رضؓ میں ہے۔ ثم اتخذتم العجل من بعدہ بعد الطلاقہ الی الجبل۔

(۳) تفسیر جلالین میں ہے۔ ثم اتخذتم العجل من بعدہ بعد ذھابہ الی میقاتنا۔ کیونکہ بنی اسرائیل نے اتخاذ عجل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات ہی میں کیا تھا۔ نہ بعد وفات پس جس طرح سے ثم اتخذتم العجل من بعدہ میں بعد موتہ کے معنی لینا جائز نہیں۔ اور کسی مفسر نے بعد موتہ کے معنی لئے بھی نہیں۔ اسی طرح سے حدیث انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی میں الا انہ لا نبی بعد ذھابی الی تبوک کے لئے جاتے ہیں نہ بعد موتی کے۔ معالم التنزیل میں ہے۔ لما رجع موسیٰ الی قومہ غضبان اسفا قال بئسما خلفتمونی من بعدی ای عملتم بعد ذھابی اس کے سوا حدیث کے معنی بن ہی نہیں سکتے۔ اگر یہ معنی لئے جائیں۔ کہ الا انہ لا نبی بعد موتی تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ میری موت کے بعد تو نبی نہیں ہو سکتا۔ لیکن میری حیات میں ہونا ممکن ہے۔ جو سراسر باطل ہے۔

تمام محدثین کا اتفاق ہے کہ حضرت نے یہ حدیث اس وقت بیان فرمائی تھی جبکہ آپ حضرت علی کو مدینہ منورہ میں عورتوں اور بچوں کی حفاظت کیلئے چھوڑ کر غزوہ تبوک پر تشریف لیجا رہے تھے۔ اور ایک منافق نے حضرت علی کو طعنہ دیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم علی کی صحبت سے کارہ ہیں۔ اس لئے علی کو چھوڑ چلے ہیں۔ حضرت علی کو یہ طعنہ ناگوار گذرا تھا اور جاکر عرض کی تھی کہ لوگ مجکو یہ طعنہ دیتے ہیں۔ آپ مجکو اپنے ساتھ لے چلیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم کو میں

اپنے پیچھے اس طرح سے چھوڑ چلا ہوں۔ جس طرح حضرت موسیٰ اپنے پیچھے حضرت ہارون کو بنی اسرائیل میں چھوڑ کر طور پر تشریف لیجاتے تھے۔ لیکن وہ تو کار نبوت انجام دیتے تھے۔ کیونکہ وہ حضرت موسیٰ کے شریک فی الامر تھے۔ مگر میرا کوئی شریک فی الامر نہیں۔

الغرض یہ مذہب کوئی جدید مذہب نہیں جس کو ہدیہ ناظرین کیا گیا ہے۔ بلکہ بعض صحابہ اور تابعین کا بھی یہی مذہب تھا۔ حضرت ام المؤمنین فرماتی ہیں۔ قولوا خاتم النّبیّین ولا تقولوا لا نبی بعدہٗ۔ محمد طاہر مجمع بحار الانوار میں اس اثر کے ذیل میں لکھتا ہے وھذا لاینافی حدیث لا نبی بعدی لانہ اراد لا نبی ینسخ شرعہ۔ یعنی حضرت ام المومنین کا یہ فرمانا کہ تم خاتم النّبیّین تو کہو مگر یہ مت کہو کہ حضرت کے بعد کوئی نبی نہیں۔ اور یہ قول حضرت ام المومنین کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث لا نبی بعدی کا منافی نہیں۔ کیونکہ لا نبی بعدی کے فرمانے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مراد تھی کہ ایسا نبی میرے بعد نہیں آئیگا کہ جو شریعت کو منسوخ کر سکے۔

الغرض غور کرنے کا مقام ہے کہ جب بعض لوگوں نے لا نبی بعدی سے مطلقہ نبوت کی نفی سمجھی تو حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنکی شان میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خذوا نصف العلم من ھذہ الحمیرا فرمایا ہے کس قدر ڈانٹ کر فرمایا کہ خاتم النّبیّین تو کہو۔ مگر لا نبی بعدی مت کہو جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ام المؤمنین اس حدیث سے مطلقہ نبوت کی نفی نہیں سمجھتی تھیں۔

بعض نادان یہ عذر اٹھاتے ہیں کہ حضرت ام المومنین اس مسلک میں تنہا ہیں اس لئے ہم ایک دوسرے صحابی کا مذہب بھی پیش کرتے ہیں۔ وہ حضرت مغیرہ ابن شعبہ ہیں۔ جلال الدین سیوطی تفسیر الدر المنثور میں لکھتے ہیں۔ عن شعبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رجل عند المغیرۃ ابن شعبۃ صلی اللہ علی محمد خاتم الانبیاء

لا نبی بعدہٗ فقال المغیرۃ حسبك اذا قلت خاتم النبیین فانا کنا نحدث ان ابن مریم خارج فان خرج فقد کان بعدہٗ۔ یعنی شعبی رضی اللہ عنہ جو کبار تابعین میں سے ہیں روایت کرتے ہیں کہ مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک شخص کہنے لگا جناب محمد پر اللہ تعالیٰ کا درود ہو۔ آپ خاتم النّبیّین ہیں۔ اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ حضرت مغیرہ فرمانے لگے تجھے خاتم النّبیّین کہنا کافی ہے اور لا نبی بعدہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں کہا کرتے تھے کہ حضرت ابن مریم علیہ السلام مبعوث ہونے والے ہیں۔ جب وہ مبعوث ہوں گے تو آنحضرت کے بعد وہ نبی ہوں گے۔ ان دو اثروں سے امور مندرجہ ذیل ثابت ہوتے ہیں۔

(۱) خاتم النبیین کے معنی سب سے پچھلا نبی نہیں ہے۔
(۲) لا نبی بعدی میں مطلقہ نبوت کی نفی نہیں ہے بلکہ مقیدہ نبوت کی نفی ہے۔
(۳) مقیدہ نبوت کی نفی متعلق زمانہ حیات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہے نہ متعلق زمانہ بعد وفات۔
(۴) آپ کے بعد ایسا نبی نہیں آئیگا جو آپ کی شریعت کو منسوخ کرے۔
(۵) نبی غیر تشریعی کی بعثت کے لئے دروازہ بند نہیں۔
(۶) صحابہ اور تابعین کو حضرت مسیح موعود کی آمد کا انتظار لگا ہوا تھا۔
(۷) صحابہ اور تابعین حضرت مسیح موعود کو نبی اللہ اعتقاد کرتے تھے۔

اختلاف روایت لاَنبیّ بعدیْ لفظاً ومعناً!

یہ حدیث مذہب امامیہ کا فونڈیشن سٹون ہے۔ انہیں کی روایتوں میں اس حدیث کے الفاظ مندرجہ ذیل صورتوں میں پائے جاتے ہیں

(۱) الا انہ لا نبی بعدی۔ یہ روایت بعینہٖ ایسی ہے جو صدر میں درج ہو چکی ہے

(۲) دوسری روایت میں انك لست نبیًّا آیا ہے۔ چنانچہ بحار الانوار صفحہ ۲۸
میں ہے۔ روی عن احمد بن عبد الوهاب یرفعہ الی حمر بن میمون عن
ابن عباس قال اخرج الناس فی غزاة تبوك فقال علی یعنی النبی صلی الله علیه
وسلّم اخرج معك فقال لا فبکی فقال له الا ترضی ان تکون منّی بمنزلہ هارون
من موسیٰ الّا انك لست نبیًّا۔ (باب اخبار المنزلہ والاستدلال علی امامتہ)
اب دیکھو واقعہ تو وہی غزوہ تبوک کا ہے مگر ایک راوی لا نبی بعدی اور دوسرا
لست نبیًّا روایت کرتا ہے۔ اگر لست نبیًّا کو صحیح مان لیا جائے تو پھر آپکی
وفات کے بعد نبی کے ہونیکی نفی کیلئے یہ حدیث نہیں رہتی۔ اور لا نبی بعدی کی
حقیقت کھل جاتی ہے۔ اور نفی نبوت مطلقہ جاتی رہتی ہے۔

(۳) تیسری روایت میں الا انّہ لا نبی معی آیا ہے۔ چنانچہ بحار الانوار صفحہ ۲۷۷
میں بحوالہ امالی الشیخ مفید لکھا ہے۔ عن محمّد ابن المنکدر قال سمعت سعید
ابن المسیب یقول لسعد ابن ابی وقاص اسمعت من رسول الله
صلی الله علیہ وسلم یقول لعلی انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ
لا نبی معی قال نعم۔ اور ایک روایت میں لیس نبی معی آیا ہے۔
اب دیکھو کہ لا نبی بعدی اور لا نبی معی دونوں روائیتیں حضرت سعد
ابن ابی وقاص سے مروی ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی واقعہ کا
ذکر ہے۔ لا نبی بعدی تو خود ان کے الفاظ ہیں۔ اور لا نبی معی سعید
ابن المسیب کے الفاظ ہیں۔ جو سعید ابن المسیب نے اپنے سوال میں حضرت
سعد سے بیان کئے ہیں۔ اور حضرت سعد نے ان کی تکذیب نہیں کی بلکہ تصدیق
کی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سعد ابن ابی وقاص بھی آنحضرت کی
وفات کے بعد نفی نبوت آیندہ کے قائل نہیں تھے اور اگر قائل ہوتے تو ضرور
سعید ابن مسیب کو ٹوک دیتے۔ کہ نہیں۔ حضرت نے لیس نبی معی نہیں فرمایا
بلکہ لا نبی بعدی فرمایا ہے۔ دوم خیر التابعین سعید ابن مسیب کا بھی یہ مذہب

نہیں تھا۔ کہ حضرت کے بعد کوئی نبی نہیں آئیگا۔ سوم وہ لا نبی بعدی
کے معنی لا نبی معی سمجھتے تھے۔ جسکی تفصیل دوسری حدیث میں درج کیجائے
گی۔

دوسری حدیث

یہ ہے۔ عن عقبۃ بن عامر قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو کان نبی بعدی
لکان عمر۔ لیکن اس حدیث پر قطع نظر اس کے کہ اس کے راوی کیسے ہیں
غور کرنیسے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کا مفہوم بھی مقید بحیات آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم ہے اور لفظ بعد کے معنی اس حدیث میں مع کے ہیں۔
جیسا کہ تاج العروس واقرب الموارد وغیرہ کتب لغت میں ہے قال القالی
فی امالیہ فی قول المضرب ابن کعب ۔ فقلت لها فیئی الیك فانی
حرام وانی بعد ذٰلك لبیب۔ اے مع ذاک۔ تاج العروس میں ہے
وتاتی بمعنی مع کقولہ تعالیٰ۔ فمن اعتدی بعد ذلك۔ اے مع ذلک
اور مصباح میں ہے عتل بعد ذٰلك زنیم۔ ای مع ذٰلك۔ علاوہ بریں
لا نبی بعدی میں لا نبی معی پہلی حدیث میں ثابت ہو چکا ہے۔
پس اس حدیث اور حدیث مذکورہ بالا
میں لا نبی بعدی کے معنی میرے
ساتھ کوئی نبی نہیں کے ہیں۔ اور اس حدیث میں لو کان نبی بعدی کے معنی
اگر میرے ساتھ کوئی نبی ہوتا کے ہیں
ان دونوں حدیثوں میں نبوت غیر کی نفی آنحضرت کے زمانہ حیات ہی کے
متعلق ہے نہ زمانہ بعد الممات کے اس لئے دونوں حدیثیں بھی کسی آیندہ نبی
کی عدم نبوت پر دلالت نہیں کرتیں۔ کہ جن کی وجہ سے خاتم النبیین کے معنی
سب نبیوں سے پچھلے نبی کے کئے جائیں۔

(تیسری حدیث)

وہ ہے جس کو خطیب اور دیلمی اور ابن جوزی نے روایت کیا ہے۔ اور جس میں لفظ آخر النّبیّین مروی ہے اور چونکہ ختم کے معنی بلغ آخرہ کے ہیں۔ اس لئے خاتم النّبیّین کے معنی آخر النّبیّین کرنے ہی مستحسن ہیں

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ختم بمعنے بلغ آخرہ سے آخری حد کمال نبوت کو پہونچ جانا مراد ہے اور خاتم النّبیّین کے معنی ختم کنندہ نصاب نبوت ہیں جیسے کہ ایک کامل ولی کو خاتم الاولیا کہا جاتا ہے۔ جس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ ولی تمام اولیاء اللہ سے سرآمد اور ختم کنندہ نصاب ولایت ہے جیساکہ تفسیر صافی میں بذیل آیت خاتم النّبیّین یہ حدیث درج ہے۔ فی المناقب عنؑ النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال انا خاتم الانبیاء وانت یا علی خاتم الاولیاء۔ لیکن یہ مسلم امر ہے کہ تمام امامیہ اثنا عشریہ باقی آئمہ کو جو حضرت علی رضؓ کے بعد ہوئے ہیں اولیاء اللہ کہتے ہیں۔ چنانچہ اسی تفسیر میں بذیل آیت الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔ خود حضرت علی کی ایک حدیث درج ہے عنؑ امیر المومنین ھم نحن واتباعنا۔ اب باوجود آئمہ کے اولیاء اللہ ہونے کے حضرت علی کا خاتم الاولیاء ہونا صاف اس بات کی دلیل ہے۔ کہ خاتم الاولیاء کے معنی ختم کنندہ نصاب ولایت کے ہیں۔ نہ سب سے پچھلے ولی کے۔ اور اگر خاتم الاولیاء کے معنے سب سے پچھلے ولی کے کئے جائیں۔ تو باقی آئمہ کی ولایت پر حرف آتا ہے۔ پس جس طرح کی حضرت علی کی ختم ولایت ہے ویسی ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا اپنے آپ کو خاتم الانبیاء کہا ہے ویسا ہی حضرت علی کو خاتم الاولیاء ارشاد فرمایا ہے۔ پس ایک جگہ خاتم کے معنی آخر کے۔ اور دوسری جگہ خاتم کے معنی ختم کنندہ نصاب کے لینے ٹھیک نہیں۔ حضرت علی کو خاتم الاولیاء مان کر پھر حضرت علی کے بعد اولیاء اللہ کے وجود کو تسلیم کرنا اور

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء مان کر پھر آنحضرت کے بعد انبیاء اللہ کے وجود کو نہ تسلیم کرنا العجب کل العجب بین الجمادی والرجب حیرت انگیز اعتقاد ہے۔

جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاتم الانبیاء ہونے کو حضرت علی کے خاتم الاولیاء ہونے کے مقابل بیان فرمایا ہے۔ پس جو معنی خاتم الاولیاء کے لئے جاتے ہیں انہیں کے مطابق خاتم الانبیاء کے معنی بھی لینے چاہیئے۔ کیونکہ حضرت نے خاتم الاولیاء کے معنی ختم کنندہ نصاب ولایت لئے ہیں۔ پس خاتم الانبیاء کے معنی ختم کنندہ نصاب نبوت ہی لینے چاہیئے اس کے علاوہ یہود کی تاریخ کو اٹھا کر دیکھو کہ وہ بھی خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خاتم النّبیّین ہی لقب سے یاد کرتے تھے۔ مگر اس کے معنی پچھلے نبی کے نہیں لیتے تھے۔ بلکہ سرآمد انبیاء کے معنی لیتے تھے چنانچہ مجمع البیان طبرسی میں بذیل آیت خاتم النّبیّین درج ہے۔

ان الیھود یدعون ان موسیٰ مثل ذلک وھم مع ذلک یجوزون بعدہ انبیاء یعنے یہود حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خاتم النّبیّین کہتے ہیں۔ اور باوجود اس اعتقاد کے حضرت موسیٰ کے بعد انبیاء کا ہونا تجویز کرتے تھے۔ اب یہود کا حضرت موسیٰ کو خاتم النّبیّین مان کر حضرت موسیٰ کے بعد انبیاء کے ہونے کو جائز سمجھنا صاف اس بات کی دلیل ہے کہ یہود خاتم النّبیّین کے معنی ختم کنندہ نصاب نبوت کرتے رہے ہیں نہ پچھلے نبی کے۔

شاید اہل سنت والجماعۃ اعتراض کریں کہ یہود اور امامیہ مذہب کے معتقدات سے ہمیں کیا مطلب ہے۔ ہمارے اکابر تو خاتم النّبیّین کے معنی آخر النّبیّین ہی کرتے رہے ہیں۔ ہم کو اپنے مذہب کے محاورات سے سروکار ہے نہ غیر قوموں کے محاورات سے۔

سو ہمارے اہل سنت احباب کو حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قول کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ کہ آپ فرماتی ہیں:۔ قولوا خاتم

النّبیّین ولا تقولوا انہ لا نبی بعدہٗ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ام المومنین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ختم کنندہ لقضاب نبوت مانتی رہی ہیں نہ سب سے پچھلا نبی۔ اور اسی طرح سے حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ختم کنندہ لقضاب نبوت مانتے رہے ہیں۔ نہ سب سے پچھلا نبی۔ جیسا کہ صدر میں بیان ہو چکا ہے۔ اللہ کے نزدیک محاورہ عرب میں خاتم بمعنی سرآمد بھی تھا۔

(مناظرہ)

اس موقعہ پر مجکو ایک مناظرہ یاد آگیا ہے کہ تخمیناً پنتالیس سال کا عرصہ ہوا ہے کہ سلیمان یہودی جو عبرانی زبان کا فاضل اور عربی سے واقف تھا۔ امرتسر میں آنکلا۔ ایک روز میرے مواجہ میں مولوی ابراہیم حسین بانی پتی عربک ہیڈ ٹیچر گورمنٹ اسکول امرتسر سے جو مذہب امامیہ کے پیش نماز تھے۔ گفتگو کرنے لگا۔ اتفاقاً الیاس مسیح عیسائیؑ بھی اس وقت موجود تھا۔

سلیمان کہنے لگا۔ مولوی صاحب آپ نبی عرب صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بائبل سے کس طرح ثابت کرتے ہیں؟۔

مولوی صاحب نے عہد نامہ عتیق کی کتاب استثناء میں سے یہ درس پیش کیا "خداوند خدا تیرے لئے تیرے بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کریگا تم اس کی طرف کان دھریو (۱۸ ث) اور کہا کہ چونکہ بنی اسرائیل میں جیسا کہ اسی کتاب استثناء کے آخر میں درج ہے۔ "موسیٰ کی مانند کوئی نبی نہیں اٹھا۔ اور حسب وعدہ اٹھنا ضروری تھا۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے نہیں بلکہ اسکے بھائیوں بنی اسمٰعیل سے نبی عرب صلی اللہ علیہ وسلم کو مثیل موسیٰ برپا کرکے اپنا وعدہ پورا کیا چنانچہ قرآن کریم میں ہے۔ انا ارسلنا الیکم رسولاً شاھداً علیکم کما ارسلنا الیٰ فرعون رسولاً ہم نے تمہاری طرف رسول بطور گواہی دینے والا بھیجا ہے جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا

سلیمان کہنے لگا تم نبی عرب کو مثیل موسیٰ کس طرح قرار دے سکتے ہو۔ کیونکہ ہم بوجہ سرآمد انبیاء بنی اسرائیل ہونے کے حضرت موسیٰ کو خاتم النّبیّین کہتے ہیں۔ جیسا کہ آپ کی تفسیر مجمع البیان میں بھی درج ہے اور آپ بوجہ آخر انبیاء ہونے کے نبی عرب کو خاتم النّبیّین کہتے ہو؟۔

سرآمد انبیاء ہونا باعث فضیلت ہے۔ آخر انبیاء ہونے میں کونسی فضیلت ہے، یہ الیاس مسیح عیسوی، نہ مذہب نہ آپ سے تعلق رکھتا ہے۔ نہ ہم سے۔ اس سے پوچھ لو کہ (ملاکی) نبی تمام انبیاء بنی اسرائیل سے آخری نبی ہیں۔ مگر ان کو نہ یہود اور نہ نصاریٰ کوئی حضرت موسیٰ کا ہم رتبہ نہیں جانتا۔ تم آخری نبی کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے افضل یا ہم رتبہ کس دلیل سے مانتے ہو؟۔

اور اگر آخری نبی ہونا ہی باعث فضیلت ہے تو آپ بھی یہود اور نصاریٰ کی طرح یہ اعتقاد رکھتے ہو کہ شہزادہ مسیح آنے والا ہے پس آخری نبی مسیح ہوگا۔ نہ نبی عرب؟۔

دوئم ہم حضرت موسیٰ کو رحمۃ للعالمین کہتے ہیں۔ اور آپ نبی عرب کو بھی اسی لقب سے یاد کرتے ہو۔ مگر حضرت موسیٰ کا رحمۃ للعالمین ہونا تو اسی سے ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ نبوت کا دروازہ جو خدا تعالیٰ کی ایک نعمت ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے کہ:۔ یٰبنی اسرائیل اذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ جعل فیکم انبیاء بنی اسرائیل کے منہ پر کھول گئے۔

برخلاف اس کے نبی عرب بنی اسمٰعیل اور بزعم آپ کے دیگر اقوام دنیا کے منہ پر رحمت کا دروازہ بند کر گئے ہیں۔

عالم کے منہ پر باب نعمت الٰہی کے بند کرنے والے کو بمقابل باب نعمت الٰہی کے کھولنے والے کیا فضیلت ہو سکتی ہے؟۔

(سوئم) ہم حضرت موسیٰ کو سید المرسلین کہتے ہیں۔ تم اسی خطاب سے نبی عرب کو یاد کرتے ہو۔ مگر حضرت موسیٰ اور ان کی توریت اور ان کی شریعت کے تابع تو ہزارہا انبیاء بنی اسرائیل میں ہوتے چلے آئے ہیں جس کی تصدیق قرآن بھی کرتا ہے۔ انا انزلنا التورٰیۃ فیھا ھدًی ونور یحکم بھا النبیون۔ لیکن بنی اسمٰعیل سے

سے یاد کرو
اسکی تعلیمیں
جکے ہاتھ سے
تم میں انبیاء اور
علماء ہیں جنہیں نازل
کی تورات اس
میں ہدایت اور
نور ہے جو علم
لگاتے ہیں اس
کے ساتھ انبیاء

کونسا نبی بنی عرب کی شریعت کا تابع ہوا ہے جس کی وجہ سے تم نبی عرب کو حضرت موسیٰ کا مثیل اور ہم مرتبہ اعتقاد کرتے ہو۔

(چہارم) حضرت موسیٰ کی افضلیت کی تصدیق تو ہزارہا انبیاء بنی اسرائیل نے کی ہے۔ اور خود نبی عرب نے بھی اس کی تصدیق فرمائی ہے۔ مگر آپ ازراہ کرم کسی نبی کا نام بتائیں جس نے کھلے لفظوں میں نبی عرب کی تصدیق افضلیت کی ہو۔

(پنجم) حضرت موسیٰ کی نبوت کی شہادت انبیاء بنی اسرائیل اور انبیاء بنی اسمٰعیل ادا کرتے چلے آئے ہیں۔ آپ اس نبی کا نام لیں کہ جس نبی نے نبی عرب کی نبوت کی شہادت دی ہو۔ پھر نبی عرب کو آپ حضرت موسیٰ کا مثیل کیونکر کہہ سکتے ہو؟

اگر یہ کہو کہ ہمارے علماء امت انبیائے بنی اسرائیل جیسے تھے انہوں نے تصدیق کی ہے اور انہوں نے نبی عرب کی شہادت دی ہے۔ تو یہ بات ہرگز قابل پیش کرنے کے نہیں ہے۔ کیونکہ علماء بنی اسرائیل نے بھی حضرت موسیٰ کی نسبت شہادت دی ہے۔ علماء کا مقابلہ علماء سے ہونا چاہیئے نہ انبیاء سے۔

دوئم آپ خود تسلیم کرتے ہو کہ انبیاء معصوم ہوتے ہیں۔ اور علماء غیر معصوم ہوتے ہیں۔ غیر معصوم کی شہادت معصوم کی شہادت کے سامنے کیا وقعت رکھتی ہے۔ اور اگر کہو کہ ہمارے آئمہ کرام اگرچہ انبیاء نہیں تھے مگر انبیاء سے افضل تھے۔ جیسے کہ آپ کے امامیہ مذہب کے علماء کا اعتقاد ہے۔ اول تو یہ عقیدہ قرآن شریف کے برخلاف ہے۔ قرآن شریف نے الذین انعم اللہ علیھم من النبیین و الصدیقین والشہداء والصالحین کہہ کر انبیاء کے مراتب کو اول بیان کیا ہے۔ اور یہ اولیت افضلیت کی دلیل ہے۔

سوم اگر غیر نبی نبی سے افضل ہوتا ہے تو امم سابقہ میں اس کی نظیر پیش کرو۔

اس دل خراش تقریر کو سن کر مولوی صاحب مبہوت رہ گئے۔ اور میرا سینہ قلق سے بھر گیا۔ ازاں بعد اکثر علمائے فحول کے سامنے میں نے اس تقریر کو پیش کیا۔ بعض نے تو یہ جواب دیا سے ہر کس کہ بقرآں و خبر زو نہ رہی۔ آنست جوابش کہ جوابش

بعض سنکر خاموش رہ گئے۔ لیکن میرا قلق اس وقت رفع ہوا۔ جبکہ جری اللہ فی حلل الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء نے دعوی نبوت فرما کر۔ خاتم النبیّین کے حقیقی معنوں کا یوں انکشاف فرمایا۔ (مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فخر دیا گیا ہے کہ وہ ان معنوں سے خاتم النبیین ہیں۔ ایک تو کمالات نبوت ان پر ختم ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ ان کے بعد کوئی نئی شریعت لانیوالا رسول نہیں اور نہ ہی کوئی ایسا نبی ہے۔ جو ان کی امت سے باہر ہو۔ بلکہ وہ امتی کہلاتا ہے۔ نہ مستقل نبی (چشمہ معرفت) مگر افسوس ہے کہ آج اس جری اللہ فی حلل الانبیاء کی چشم مبارک بند ہوتے ہی اس کے متبعین کی جماعت میں سے ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا ہے۔ جو شوخ چشمی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس فضیلت پر پھر پردہ پوشی کرنے کی کوشش میں لگاتار دوڑ دھوپ کر رہا ہے۔ کہ خواہ فضیلت ثابت ہو یا نہ ہو آپ سب سے پچھلے نبی ہیں۔ اور ان کی امت میں نبی نہیں ہو سکتا۔ اور ان کی امت کو نبوت نہیں مل سکتی۔ اور اگر مل سکتی ہے تو ویسی ہی جیسے کہ دوسرے انبیاء کی امتوں کو ملتی رہی ہے۔ اس امر میں حضور علیہ السلام کو دیگر انبیاء سے نہ کوئی خصوصیت ہے اور نہ دیگر انبیاء پر کوئی فضیلت۔ چنانچہ مولوی محمد علی صاحب ایم اے جن کا کام بات بات میں اپنے مرشد اور ہادی سیدنا مسیح موعود کی پرزور مخالفت کرنا ہے۔ اپنی کتاب النبوۃ فی الاسلام میں لکھتے ہیں۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسی قسم کی نبوت کا دروازہ کھلا ہے جس قسم کی نبوت دیگر انبیاء علیہم السلام کی امتوں میں رہی ہے۔ انتہیٰ کلامہ"

اب دیکھو حضرت مسیح موعود علیہ السلام حقیقۃ الوحی کے صفحہ ۲۵ پر یوں تحریر فرماتے ہیں "اس کی امت کے لئے کبھی قیامت تک مکالمہ اور مخاطبہ کا دروازہ بند نہ ہوگا اور بجز اس کے کوئی نبی صاحب خاتم نہیں ہے۔ ایک وہی ہے جس کی مہر سے ایسی نبوت مل سکتی ہے۔ جس کے لئے امتی ہونا ضروری ہے۔

بعض بعض × × × غیر مبایعین تو یہاں تک کہہ اٹھتے ہیں کہ لا تعلوا فی

دینکہ۔ تم مسیح موعود کی بنوت تو ایک طرف۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رتبہ اس قدر بڑھاتے ہو کہ تمام انبیاء سے افضل جانتے ہو۔ یہ سراسر غلو ہے۔ قرآن میں سیّد المرسلین کہاں لکھا ہے۔ تم حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ سے کیوں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شان بڑھاتے ہو۔ وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔ اگر باوجود ان ادلہ قطعیہ کے اسی بات پر اصرار کیا جائے کہ نہیں خاتم النبیین کے معنی سب نبیوں سے پچھلے نبی کے ہیں لیکن۔

(اول) تو ان معنوں سے سید ولد آدم صلے اللہ علیہ وسلم کی کوئی فضیلت نمایاں نہیں ہوتی۔ کیونکہ محض تاخر زمانی نہ منجملہ متممات ذات ہے اور نہ منجملہ متممات صفات کمالات ہے اور آخر النبیّین ہونا بمقابلہ اول النبیین ہونے کے نہ موجب شرف ہے اور نہ موجب فضل بلکہ مشہور مقولہ ہے۔ ان الفضل للمتقدم۔

(دوم) اگر خدا تعالیٰ کو سید ولد آدم صلے اللہ علیہ وسلم کا محض تاخر زمانی بیان فرمانا مقصود ہوتا۔ اور کسی فضیلت کا اظہار ملحوظ نہ ہوتا تو بجائے خاتم النبیین کے خاتمۃ النبیّین ارشاد فرماتا کہ بہ نسبت خاتم النبیّین کے خاتمۃ النبیّین کی دلالت اوضح علی المقصود ہوتی۔ کیونکہ لفظ خاتم متعدد معنوں پر دلالت کرتا ہے جیسے ما یوضع علی الطینہ۔ نقش نگین، انگشتری۔ خاتمہ وغیرہ۔

اس لئے لفظ خاتم کی دلالت معنی تاخر زمانی پر بخلاف لفظ خاتمہ کے اخفیٰ ہے اور چونکہ لفظ خاتمہ کے معنی بجز آخر کے اور کچھ نہیں ہیں۔ اس لئے لفظ خاتمہ کی دلالت آخر کے معنے پر بہ نسبت لفظ خاتم کے اوضح ہے۔ اور ایسے امر اہم کے اظہار کیلئے لفظ اوضح علی الدلالۃ ہی استعمال میں لانا طریق انسب تھا۔ تاکہ دوسرے معانی کی گنجایش ہی نہ رہتی

(سوم) آخر النبیّین کا مفہوم بھی افضل الانبیاء ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ نہ سب سے پچھلے نبی ہونے پر۔ بخاری میں ہے۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم انی اٰخر الانبیاء ومسجدی اٰخر المساجد۔ باب فضل الصلوۃ فی مسجد مدینہ (جلد اول)۔ اس حدیث میں آخر المساجد کے جو معنی لئے جا سکتے ہیں وہی معنے

آخر الانبیاء کے لینے چاہیئے۔ آخر المساجد کے معنی یہ تو ہرگز نہیں ہو سکتے کہ میری مسجد سب مساجد سے پچھلی مسجد ہے۔ اور اب اس مسجد کے بعد دوسری مسجد کا تعمیر ہونا اور وجود میں آنا جائز نہیں۔ غالباً یہ مفہوم تو حضور علیہ السلام کی منشاء کے برخلاف ہے۔ اور کوئی مسلمان بھی یہ معنی نہیں لے سکتا۔ ورنہ تمام مساجد کی تعمیر جو مسجد نبوی کے بعد عمل میں آئی ہے ناجائز ٹھہرے گی۔ پس جبکہ آخر المساجد کا مفہوم دیگر مساجد کے وجود میں آنے سے مانع نہیں تو آخر الانبیاء کا وجود بھی دیگر انبیاء کے وجود میں آنے سے مانع نہیں۔ اس لئے آخر المساجد کے معنے افضل المساجد کے لینے درست ہیں۔ اور آخر الانبیاء کے معنی افضل الانبیاء ہی کرنے زیبا ہیں۔ پس ثابت ہو گیا کہ خاتم القوم کے معنی محاورہ

(حقیقۃ الختم)

بیضاوی لکھتا ہے:۔ الختم والکتم سمی بہ الاستیثاق من الشئ بضرب الخاتم علیہ لانہ کتم لہ والبلوغ الاٰخر نظرًا الی انہ اخر فعل یفعل فی احرازہ ختم اور کتم کا اطلاق کسی چیز پر مہر لگا کر اس کے (استیثاق) استوار کر دینے پر کیا جاتا ہے کیونکہ وہی اس کا چھپا دینا ہے۔ اور اس وجہ سے کہ مہر آخری فعل ہے۔ جو کسی چیز کی نگہداشت میں کیا جاتا ہے (البلوغ الاخر) یعنی کسی چیز کے آخر حد تک پہونچنے پر بھی اس کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ خلاصہ کلام الختم کے معنی کسی چیز کا چھپا دینا یا انجام تک پہونچا دینا ہے

بیضاوی نے یہ تعریف کسی قدر تغیر کیساتھ کشاف سے لی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے (الختم والکتم اخوان) ختم اور کتم دونوں ایک ہیں یعنی مرادف ہیں۔

یہ تعریف لفظی ہے۔ کیونکہ (کتم) بہ نسبت (ختم) کے پوشیدہ کرنے کے معنوں میں زیادہ مشہور اور معروف ہے۔ اس مناسبت معنوی کے علاوہ ان دونوں میں بوجہ توافق عین کلمہ و لام کلمہ اشتقاق اکبر موجود ہے۔

بیضادی اور کشاف کی عبارت سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ختم اور کتم دونوں مرادف

ہیں لیکن جب غور کیا جاتا ہے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ ختم کی حقیقت اور ہے۔ اور کتم کی اور ہے۔

ختم کی حقیقت صرف اتنی ہے الوسم بطابع والاثر الحاصل من ذلک (مہر سے نشان کرنا اور جو اثر کہ اس سے حاصل ہو) اور کتم کی حقیقت زد الستر والاخفاء) پوشیدہ کرنا اور چھپا دینا ہے۔ اور حقیقت میں یہ دونوں امر متغایر ہیں لہذا الختم اور الکتم مرادف نہیں ہو سکتے۔

قنوی جواب دیتا ہے۔ لکنہ لما لزمہ ذلک کانہ عینہ مبالغۃً یعنی چونکہ ختم کو کتم لازم ہے۔ اس لئے مجازاً مبالغہ کے طور پر ختم کی تفسیر لفظ کتم سے کی گئی ہے۔

خیر ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ ختم مرادف کتم ہے اور کتم کے معنی الستر والاخفاء ہیں۔ پس اس صورت میں خاتم النبیین کے معنی ساتر النبیین ہوں گے اور انہیں معنوں کو ابو البقاء نے کلیات میں لیکر لکھا ہے۔ والاحسن انہ من الکتم لانہ ساتر الانبیاء بنور شریعتہ کالشمس تستتر بنورھا الکواکب کما انھا تستضئ بھا۔ یعنی ختم کو کتم ہی کے معنوں میں لینا اچھا ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام اپنی شریعت کے نور سے ساتر الانبیاء ہیں۔ جیسے کہ آفتاب اپنے نور سے ستاروں کو چھپا دیتا ہے۔ جیسے کہ وہ اس کے نور سے روشنی حاصل کرتے ہیں۔ لاریب حضور علیہ السلام کی شریعت غرا بوجہ جامعیت ساتر شرائع انبیائے سابقہ ہے۔ اور اکمال شریعت نے تشریعی نبی کی ضرورت باقی نہیں چھوڑی۔ لیکن تابع شریعت غیر تشریعی انبیاء کی بعثت پر کونسا محذور شرعی یا عقلی لازم آتا ہے۔

بلکہ حضور علیہ السلام کی ذات حقیقی ساتر الانبیاء کی مصداق اسی وقت ہو سکتی ہے جب حضور کی امت کے درمیان بعض انبیاء امتی ہونے کے لباس میں ایسے مستور ہوں کہ بعض کوتاہ نظر ان کو محض امتی اور بعض حدید البصر ان کو نبی کہتے ہوں ورنہ انبیائے گذشتہ حضور کی بعثت سے پہلے قد خلت کے حجاب میں پہلے ہی مستور

و محجوب ہو چکے ہیں۔

اب الختم کی تصریح الاستیثاق کے ساتھ کرنے میں جو استیثاق کی گت بنائی جاتی ہے وہ بھی قابل کم مضحکہ نہیں۔ بیضاوی اور کشاف کے شراح لکھتے ہیں (اطلق علیہ الختم مجازاً) یعنی ختم کا اطلاق استیثاق کے معانی پر حقیقی نہیں بلکہ مجازاً ہے۔ اور استیثاق کے معنی لغت میں از کسی وثیقہ طلب داشتن کے ہیں۔ دیکھو صراح اور ختم کے معنی استیثاق پر یوں چسپاں کئے جاتے ہیں لان المستوثق اخذ مما یختم علیہ وثیقۃ وعھداً فی ان لا یظھر ما فیہ۔ گویا مہر لگانے والا جس چیز پر مہر لگاتا ہے اس سے اقرار لے لیتا ہے کہ جو کچھ بھی اس میں ہے ظاہر نہ کرے۔ ومن فعل ذلک صار ذا وثوق۔ اور جو ایسا کرتا ہے وہ صاحبِ وثوق ہو جاتا ہے۔ خلاصہ کلام مستوثق مہر لگانے سے پہلے تو طالب وثوق ہوتا ہے۔ مگر مہر لگانے کے بعد صاحبِ وثوق ہو جاتا ہے۔ یعنی استیثاق میں پہلے تو طلب تھی پھر مہر لگاتے ہی اس میں صیرورت آگئی۔ جس کی نسبت ایک شارح لکھتا ہے کون معناہ طلب الوثوق وکون بنائہ للصیرورۃ مما یتنافیان۔ یعنی استیثاق کے معنے طلب الوثوق کے لے کر پھر اس کی بناء کا صیرورت کے لئے تسلیم کرنا دونوں باہم منافی ہیں بیشک باب استفعال کے خواص میں سے طلب بھی ہے اور صیرورت بھی ہے لیکن یہ دونوں ایک حالت میں جمع نہیں ہو سکتے۔ لہذا ختم کی تصریح استیثاق کے ساتھ کرنا خالی از تکلف نہیں۔

لے چونکہ بیضاوی نے لکھا ہے الختم والکتم سمی بہ الاستیثاق یعنی استیثاق کا نام ختم اور کتم ہے اس کی نسبت ابن شہاب لکھتا ہے وسمی بہ بمعنی اطلق علیہ واستعمل فیہ والتسمیۃ تکون بھذا المعنی وبمعنی وضع العلم والمراد الاول یعنی سمی بہ کے معنی اس عبارت میں اطلق علیہ واستعمل فیہ کے ہیں اور تسمیہ کا لغت ان معنوں اور نام رکھنے کے معنوں میں دونوں طرح سے آتا ہے۔ اور اس عبارت میں پہلے معنی مراد ہیں اور بس۔

ماسوائے اس تکلف کے جو معنی ہمارے علماء اس آیت کریمہ کے کرتے ہیں۔ وہ اور بھی حیرت افزا ہیں۔ کیونکہ ختم اور کتم استیثاق ہے۔ اور استیثاق وثیقہ گرفتن از کسے ہے اور خاتم کالمستوثق اخذ مما یختم علیہ وثیقۃً وعھداً ای ان لا یظھر ما فیہ ہے۔ اس لئے خاتم النّبیّین کے معنی ہوئے کانہ المستوثق اخذ بختمہ علی النّبیّین وثیقۃ فی ان لا یظھر وکن ما فیھم۔ اب سوال ہوگا کہ ما فیھم کیا چیز ہے؟ تو بجز اس کے جواب اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ کہ وہ شرائع اور احکام ہیں۔ پس صورت تاویل یہ ہوگی اخذ بختمۃ علی النّبیّین وثیقۃ فی ان لا یظھروا ما فیھم من الشرائع والاحکام۔ اب خود ہی بتاؤ کہ شرائع اور احکام کا کتمان و من اظلم ممن کتم شھادۃ عندہ من اللہ کی وعید کے نیچے آتا ہے یا نہیں؟ علاوہ بریں خاتم النّبیّین کو مرادف کاتم النّبیّین سمجھا کیا انبیاء گذشتہ کی نسبت صادق آسکتا ہے؟۔

پس اگر ختم کے معنی استیثاق ہی کے لینے ضروری سمجھے جاتے ہیں تو کیوں وہ راستہ اختیار نہیں کیا جاتا۔ جو بالکل صاف اور ہموار ہے۔ وھو ھذا۔

جب کہ استیثاق کے معنی طلب میثاق کے ہیں۔ تو خاتم النّبیّین بکسر التاء کے معنی یوں کیوں نہ کئے جائیں کانہ المستوثق اخذ بختمۃ علی النبیین میثاقاً و عھداً ای ان یومنن بہ کما اخذ اللہ میثاق النبیین حیث قال واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اتیتکم من کتاب وحکمۃ ثم جاء کم رسول مصدق لما معکم لتومنن بہ ولتنصرنہ قال ء اقررتم واخذتم علی ذٰلکم اصری قالوا اقررنا قال فاشھدوا وانا معکم من الشاھدین۔ چنانچہ بعض صحابہ کرام کا یہ مذہب ہے کہ اس آیت کریمہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جتنے نبی گذرے ہیں۔ سب سے آنحضرت صلے اللہ علیہ والہ وسلم پر ایمان لانے اور آپ کی مدد کرنے کا یہ عہد لے لیا تھا۔

کہ اگر رسول کریم ان کے عہد میں مبعوث ہوں تو ان کو آنحضرت پر ایمان لانا پڑیگا۔ علامہ جلال الدین السیوطی تفسیر درمنثور میں لکھتے ہیں اخرج ابن جریر عن علی ابن ابی طالب رضی اللہ قال لم یبعث اللہ نبیاً ادم فمن بعدہ الا اخذ علیہ العھد فی محمد صلے اللہ علیہ وسلم لئن بعث وھو حی لیومنن بہ ولینصرنہ ویامرہ لیاخذ العھد علی قومہ۔ زرقانی میں ہے، ان یکن النبی حیاً فی بعثتہ نبیاً لابد ان یومن بہ ولینصرہ۔

یا خاتم بالفتح ہے اور مستوثق ذات باری ہے اور آیت کا یہ مفہوم ہے۔ اخذ اللہ بھذا الخاتم میثاقاً علی النّبیّین فی ان لا یظھروا امراً مخالفاً لشریعۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس صورت میں یہ عہد انبیائے لاحقین سے متعلق ہوگا۔

اب دوسرے معنی یعنی البلوغ الی آخرہ کی نسبت عرض ہے۔ اس کی نسبت فتویٰ لکھتا ہے۔ عطف علی الاستیثاق ای سمی بہ البلوغ الی آخرہ مجازاً فان الختم وان اشتھر فی البلوغ الی الآخر حتی صار حقیقۃً فی العرف مطلقاً او فی عرف اللغۃ لکنہ مجاز بحسب اصل اللغۃ یعنی اس کا عطف استیثاق پر ہے یعنی ختم کا اطلاق البلوغ الی آخرہ کے معنی پر بھی مجازاً ہوتا ہے۔ اگرچہ ختم البلوغ الی آخرہ کے معنی میں مشہور ہے حتی کہ عرف مطلق اور عرف لغت دونوں میں ختم کے حقیقی معنی البلوغ الی آخرہ اور بانجام رسانیدن اور پورا کرنیکے سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن اصل وضع اور اصل لغت میں یہ معنی حقیقی ہرگز نہیں ہیں۔ بلکہ مجازی معنی ہیں۔ حقیقی معنی الختم کے صرف وضع الخاتم علی الشیٔ ہیں۔ دیکھو المغرب یعنی کسی چیز پر مہر کر دینا ... جبکہ ختم سے کبھی استعارہ قساوت کا اور کبھی کسی چیز کے استیثاق یعنی بند کرنے کا اور کبھی بلوغ الی آخرہ کا اور کبھی کسی چیز کے پوشیدہ کرنے کا لیا جاتا ہے تو پھر اس آیت میں ختم سے شہادۃ اور تصدیق کا استعارہ کیوں نہ لیا جائے۔ امام مطرزی

لکھتا ہے۔ ومنہ ختم الشہادۃ ذلك علی ماذکر الحلوانی۔ ان الشاہد کان اذا کتب اسمہ فی الصک حجل اسمہ تحت رصاص مکتوبًا ووضع علیہ نقش خاتمہ حتی لا یجری فیہ التزویر والتبدیل (المغرب) یعنی جیسا کہ حلوانی نے ذکر کیا ہے۔ لفظ ختم سے ختم الشہادۃ یعنی شہادت کی مہر بھی ماخوذ ہے۔ اور وہ یہ ہے جب کوئی گواہ اپنی شہادت درج کر چکتا تو پہلے اپنا نام کاغذ پر لکھ لیتا۔ پھر اس نام پر قلعی کا ایک باریک پترا رکھکر اس پر اپنی مہر لگا دیتا۔ تاکہ کوئی اس کو بدل نہ سکے اور نہ جعل بنا سکے۔

صاحب مجمع البیان لکھتا ہے ان المراد بالختم علی القلوب شہد علیہا وحکم بانہا لا یقبل الحق کما یقال اراك تختم علی کل ما یقولہ فلان ای تشہد بہ ولصدقہ وقد ختمت علیك بانك لا تعلم ای شہدت وذالك استعارۃ یعنی ختم علی القلوب سے مراد ان لوگوں پر گواہی دینا ہے۔ کہ وہ حق نہیں قبول کرتے ہیں عرب میں بولتے ہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ جو کچھ بھی فلاں شخص کہتا ہے تو اس پر مہر کر دیتا ہے۔ یعنی تو گواہی دیتا ہے یعنے تو اس کی تصدیق کرتا ہے۔ اور اسی طرح سے یہ بھی محاورہ ہے۔ بتحقیق میں نے مہر کر دی ہے کہ تو کامیاب نہیں ہوگا۔ اس فقرہ کے معنی بجز اس کے اور کوئی نہیں ہو سکتے۔ کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو کامیاب نہیں ہوگا اور یہ ایک استعارہ ہے[1]۔ پس حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرأت ولکن نبیًا ختم النّبیّین کے معنی بجز اس کے اور کوئی نہیں بن سکتے کہ آپ نبی ہیں انبیاء کی تصدیق کرنے والے اور ان کی سچائی پر مہر کرنے والے یعنی شہادت ادا کرنے والے ہیں۔ اور خاتم النّبیّین کے معنی نبیوں پر مہر کرنے والے یعنی انکی حق میں شہادت ادا کرنے والے اور ان کے مصدق کے ہیں۔

آخر میں یہ عرض ہے کہ خاتَم النّبیّین یا خاتِم النبیین یا ختم النّبیّین

---

[1] امام راغبؒ نے بھی مفردات میں ان معنوں کو بیان کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے۔ وقال بعضہم ختمہ شہادۃ اللہ تعالیٰ انہ لا یؤمن[1]۔

اور جن احادیث میں ختم بی النبیون روایت ہوا ہے۔ ان کے الف ولام پر بھی غور کرنا ضروری ہے۔

(الف ولام)

(اول) جب کہ استغراقی تسلیم کرنے میں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی فضیلت کا پہلو نمایاں نہیں ہوتا تو کیوں اس پر زور دیا جائے۔ کہ استغراقی ہے۔

(دویم) سیاق آیت میں کوئی قرینہ الف لام استغراقی لینے کے کیلئے موجود نہیں

(سویم) اس آیت میں الف لام استغراقی لینے پر بکثرت اعتراض وارد ہوتے ہیں۔ جن کے رفع کرنے میں سخت مشکلات پیش آتی ہیں۔ جنکا ذکر سابقًا ہو چکا ہے۔

(چہارم) قرآن کریم میں اس قسم کی بکثرت ایسی آیات موجود ہیں۔ جن میں لام استغراقی نہیں مانا جاتا۔ چنانچہ:۔

(۱) انا انزلنا التوراۃ فیہا ھدًی ونور یحکم بہا النبیون[1] میں بھی الف لام موجود ہے۔ مگر مفید استغراق نہیں۔ کیونکہ وہی انبیاء توریت کے مطابق حکم لگاتے رہے ہیں۔ جو نزول توریت کے بعد مبعوث بالنبوّت ہوئے ہیں۔

(۲) یقتلون النّبیّین میں بھی الف لام استغراقی نہیں۔ کیونکہ کل انبیاء قتل نہیں ہوئے۔

(۳) قتلہم الانبیاء میں بھی لام استغراقی نہیں۔

(۴) اذ جاءہا المرسلون میں بھی مفید استغراق نہیں۔ کیونکہ قریہ مخصوصہ میں تمام مرسل نہیں گئے۔

جب ان آیات میں باوجود الف ولام ہونے کے کل انبیاء مراد نہیں۔ اور کسی نے استغراق کے معنے نہیں لئے بلکہ اشخاص معہود مراد لئے ہیں تو خاتم النّبیّین اور ختم النّبیّین اور ختم بی النبیون اور آخر النّبیّین میں بھی بجائے الف لام استغراق کے عہدی لیا جانا زیبا ہے

کیونکہ خاتم النبیین اور ختم النبیّین اور ختم بی النبیون اور اٰخر النبیین مسورۂ کلیہ نہیں۔ بلکہ قضیۂ مہملہ ہے۔ اور مہملہ کبھی تابع کلیہ اور اکثر تابع جزئیہ ہوتا ہے اور جب تابع کلیہ کرنے میں کوئی قرینہ قویہ موجود نہ ہو اور اعتراض وارد ہوتے ہوں اور مشکلات پیش آتی ہوں۔ اور فضیلت ثابت نہ ہوتی ہو۔ اور تابع جزئیہ کرنے میں کوئی امر مانع نہ ہو۔ بلکہ ثبوت افضلیت ہوتا ہو تو تابع جزئیہ کیوں نہ کیا جائے۔

لہٰذا خاتم النبیّین اور اٰخر النبیّین کے معنی آخر بعض النبیین و خاتم بعض النبیین سے لئے بہتر ہیں۔ اور بعض النبیّین سے مراد انبیاء تشریعی ہیں اور انبیاء تشریعی کے آخر ہونے پر آیت الیوم اکملت لکم دینکم دال ہے۔ کیونکہ اکمال شریعت نے انبیاء تشریعی کی ضرورت باقی نہیں چھوڑی۔ اور بعض علمائے کرام کا بھی یہی مذہب ہے۔ چنانچہ مولانا محمد طاہر مجمع بحار الانوار میں لکھتے ہیں۔ وھذا لا ینافی حدیث لا نبی بعدی لانہ اراد لا نبی ینسخ شرعہ۔ یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے لا نبی بعدی فرما کر ارادہ کیا تھا کہ آپ کی شریعت کو کوئی نبی منسوخ نہیں کرے گا۔

[1] حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کلام معجز نظام الحکم، فروری ۱۹۰۳ء میں یوں درج ہے: "علماء کو نبوت کا مفہوم سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ قرآن کریم میں خاتم النبیین جو آیا ہے۔ جس پر الف لام پڑے ہیں۔ اس سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ شریعت لانے والی نبوت سب بند ہو چکی ہے۔

پس اگر کوئی نئی شریعت کا مدعی ہو گا وہ کافر ہے۔

امام شعرانی نے بھی الیواقیت والجواہر کی دوسری جلد میں ایسا ہی لکھا ہے:۔

لا نبی بعدی۔ فان مطلق النبوۃ لم یرتفع وانما ارتفعت نبوت تشریعیۃ۔ فقط۔

مولوی عبد الحی صاحب لکھنوی فرنگی محلی دافع الوسواس فی اثر ابن عباس میں لکھتے ہیں:۔

"بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مجرد کسی نبی کا آنا محال نہیں۔

اور ہر وقت اور بار بار شریعت جدیدہ کا بھیجنا منافی حکمت بالغہ الٰہی ہے۔ اسی لئے خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہزارہا سال کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صاحب الشریعت مبعوث فرمایا۔ اور درمیانی انبیاء کو شریعت موسویہ کا تابع رکھا۔ لیکن تجدید دین اور شریعت کو تازہ کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً انبیاء علیہم السلام کی ضرورت پیش آتی رہی۔ اور آتی رہے گی۔ خدا تعالیٰ نے ان کی بعثت کے لئے باب رسالت کو مسدود نہیں رکھا۔

اب اس آیت کے آخری لفظ النبیّین پر بھی غور کرنا ضروری ہے کہ خاتم النبیّین کا مفہوم باعتبار نبوت کیا ظاہر کرتا ہے۔

(نبی)

بعض کے نزدیک نبی۔ نبأ سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی آگاہی اور خبر کے ہیں۔ اور فعیل بمعنی فاعل ہے۔ یعنی مخبر عن اللہ تعالیٰ۔ جیسا کہ صراح میں ہے ومنہ اخذ النبی تبرک الھمزۃ مجمع بحار الانوار میں ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقائل (یا نبیٔ اللہ) لا تنبز باسمی فانما انا نبی اللہ ھو فاعل من النبأء الخبر لانہ انبأء عن اللہ یعنی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو جس نے حضور علیہ السلام کو ہمزہ کے ساتھ نبیٔ اللہ کہہ کر پکارا تھا۔ فرمایا کہ تو میرے نام کو مت بگاڑ میں بترک ہمزہ نبی اللہ ہوں۔ یہ فعیل بمعنی فاعل مصدر النبأء سے مشتق ہے۔ جسکی معنی آگاہی اور خبر کے ہیں۔ کیونکہ وہ خدا کی طرف سے خبر دیتا ہے۔ نبوت اسم ہے۔

پس نبی کا کسی قوم میں ہونا اور خدا کی طرف سے پیغام پہونچانا اس قوم کے حق میں انعام الٰہی ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے اذ قال موسیٰ لقومہ یا قوم اذکروا

[1] واراد القائل بقولہ یا نبیٔ اللہ بالہمزۃ ای یا من خرج من مکۃ الی المدینۃ فانکر علیہ النبی صلے اللہ علیہ وسلم یعنی ہمزہ کیساتھ نبیٔ اللہ کہنے والے نے یہ ارادہ کیا تھا کہ اے وہ شخص کہ تو مکہ سے مدینہ کی طرف نکلا ہے کیونکہ نبوء کے معنی ایک جگہ سے نکلکر دوسری جگہ جانے کے

نعمۃ اللہ علیکم اذ جعل فیکم انبیاء وجعلکم ملوکا۔ امت محمدیہ کو اس انعام عظیم سے محروم سمجھنا اس امت کی خیریت کو ملیا میل کرنا ہے۔ ؎۱

بعض کے نزدیک نبی۔ نباوت سے ماخوذ ہے جس کے معنی بر آمدن و بلند شدن کے ہیں مجمع بحار الانوار میں وقیل مشتق من النباوۃ وھی الشیٔ المرتفع یعنی کہا گیا ہے کہ نبی نباوت سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی شیٔ مرتفع کے ہیں اور نبی بروزن فعیل بمعنی مفعول ہے جیسے قتیل و جریح کہ بمعنی مقتول و مجروح ہے۔ اور اس کے معنی تمام خلقت سے بلند اور شرف یافتہ کے ہیں۔ اور مہموز اللام نہیں ہے۔ بلکہ اقسام ناقص سے ہے۔ صاحب صراح لکھتا ہے،

؎۱ حضرت مسیح موعودؑ الوصیت میں فرماتے ہیں جبکہ مکالمہ و مخاطبہ اپنی کیفیت اور کمیت کے رو سے کمال تک پہنچ جاوے اور اس میں کوئی کثافت اور کمی باقی نہ ہو اور کھلے طور پر امور غیبیہ پر مشتمل ہو تو وہی دوسرے لفظوں میں نبوت کے نام سے موسوم ہو جاتا ہے جس پر سب نبیوں کا اتفاق ہے۔ پس یہ ممکن نہ تھا کہ وہ قوم جس کے لئے فرمایا گیا کنتم خیر امۃ اخرجت للناس اور جن کے لئے یہ دعا سکھائی گئی اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم اس کے تمام افراد اس مرتبہ عالیہ نبوت سے محروم رہتے اور کوئی ایک فرد بھی اس مرتبہ کو نہ پاتا

۔ اور ایسی صورت میں صرف یہی خرابی نہیں تھی۔ کہ امت محمدیہ ناقص اور ناتمام رہتی۔ اور سب کے سب اندھوں کی طرح رہتے۔ بلکہ یہ بھی نقص تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت فیضان پر داغ لگتا تھا۔ اور آپ کی قوۃ قدسیہ ناقص ٹھہرتی تھی۔ اور ساتھ اس کے وہ دعا جس کا پانچوں وقت نماز میں پڑھنا تسلیم کیا گیا تھا۔ اس کا سکھانا بھی عبث ٹھہرتا تھا۔

وساغ ان یکون ماخوذ منہ غیر مھموز وھو فعیل بمعنی مفعول ای انہ مشرف علی الخلق کلہ ؎ اسی لحاظ سے بعض مفسرین نے آیت واذکر فی الکتاب موسیٰ انہ کان مخلصا وکان رسولا نبیا ؎ کی تفسیر میں نبیا کے معنی رفیع الشان عالی قدر کے کئے ہیں۔ پس ان پچھلے معنوں کے اعتبار سے خاتم النبیین کے یہ معنی ہوں گے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام ان بزرگوار اشخاص سے جو اپنے اپنے عہد میں منجانب اللہ تمام خلق سے رفیع الشان اور عالی قدر ہوتے رہے ہیں یا ہوتے رہیں گے بوجہ قرب الٰہی خالق اور برتر ہیں۔ اور آپ رفعت شان کے آخری حد تک فائز ہوئے۔ اور آپ نے قرب الٰہی کا وہ مقام حاصل کیا ہے کہ جس سے بالاتر کوئی تقرب الٰہی کا مقام نہیں ہے۔ کوئی نبی نہ اس مقام تک پہنچا ہے اور نہ پہنچ سکتا ہے ؎

بمقامے کہ رسیدی نہ رسد ہیچ نبی

ہر نبی کی دو حالتیں ہوتی ہیں ایک حالت النبا یعنی خدا تعالیٰ سے وحی پاکر خلقت کو خبر پہونچانے کی حالت۔ اس میں نبی اللہ کی توجہ عالم امر سے عالم خلق کی طرف ہوتی ہے۔ اس حالت میں تمام انبیاء علیہم السلام کے مدارج یکساں ہوتے ہیں۔ لانفرق بین احد من رسلہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ لا تفضلونی علی یونس ابن متی۔ مجھکو یونس ابن متی پر فضیلت نہ دو۔

دوسری حالت النباوۃ یعنی وصول الی اللہ کی حالت جس میں نبی اللہ کی توجہ عالم خلق سے عالم امر کی طرف ہوتی ہے۔ اس حالت میں انبیاء کرام علیہم السلام کے مدارج متفاوت ہوتے ہیں تلک الرسل فضلنا بعضھم علیٰ بعض منھم من کلم اللہ ورفع بعضھم درجات ؎ اگر ایک نبی خدا تعالیٰ سے قریب ہے تو دوسرا اقریب تر ہے۔ ھلم جرا۔ سب سے اعلیٰ اور ارفع اور اقرب الی اللہ خاتم النبیین روحنا فداہ کا درجہ ہے۔ جس پر لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل ؎۔ شاہد ہے۔ کیونکہ واصل مضاف تو بکثرت ہو سکتے ہیں مگر واصل مطلق بجز ایک کے دوسرا نہیں ہو سکتا۔

فرض کرو نبوت ایک دائرہ ہے جو مبدء عالم امر سے شروع ہوتا ہے اور عالم خلق سے گذرتا ہُوا پھر واصل مبدٔ عالم امر ہو جاتا ہے۔ منه المبدأ والیه المعاد

آب فرض کرو۔ ا-ج-ب-د- ایک دائرہ ہے۔ جس کا نقطۂ اولیٰ الف جہاں سے دائرہ کا آغاز ہُوا ہے۔ مبدء عالم امر ہے۔ اور نقطۂ (ب) جو نقطہ الف کے بالمقابل ہے عالم خلق ہے۔

اب نقطہ الف سے نقطہ ب تک قطر کھینچو دائرہ دو قوسوں میں منقسم ہو جائیگا۔ ایک قوس الف-ج-ب ہے۔ جس میں پرکار نقطہ الف سے حرکت نزولی کرتی ہوئی نقطہ ب تک اترتی چلی آئی ہے۔ یہ قوس نزولی قوس النباء یعنی قوس نزول من اللہ کی ہے جو مبدء عالم امر سے عالم خلق کی طرف نبی اللہ کے شرف نزول کی سیر گاہ ہے۔

اب دائرہ کی دوسری قوس (ب) (د) (الف) کی طرف نگاہ کرو۔ جس میں پرکار نقطہ (ب) سے نقطہ اولیٰ یعنی الف کی طرف مرتفع ہونے لگ جاتی ہے حتیٰ کہ نقطہ الف یعنی مبدء عالم امر سے واصل جا ہوتی ہے۔ یہ قوس صعودی قوس النباوۃ یعنی قوس وصول الی اللہ ہے۔ جو عالم خلق سے مبدء عالم امر کی طرف نبی اللہ کے شرف صعود کی سیر گاہ ہے

قوس النباء یعنی قوس نزولی میں تمام انبیاء علیہم السلام کے درجات یکساں ہیں ان میں کوئی تفاوت نہیں نہ کسی کا درجہ نیچا ہے نہ اونچا۔ خدا سے وحی پائی اور خلق کو پہونچادی۔ اس میں مطلق کم و بیشی مراتب نہیں۔ سید ولد آدم صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی وحی پائی اور خلقت کو پیغام الٰہی پہونچا دیا۔ حضرت یونس ابن متی نے بھی وحی پائی اور خلقت کو پیغام الٰہی پہونچا دیا۔ اسی لحاظ سے قرآن کریم نے لانفرق بین احد من رسلہ فرمایا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لاتفضلونی علی یونس ابن متی ارشاد کیا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جس کی نسبت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں۔ ~

انبیاء گرچہ بودہ اند بسے — من بعرفاں نہ کمترم ز کسے
آں یقینے کہ بود عیسیٰ را — بر کلامے کہ شد برو القا
آں یقیں کلیم بر تورات — واں یقینہائے سید سادات!
کم نیم زاں ہمہ بروئے یقین — ہر کہ گوید دروغ ہست لعین!

مگر دوسری قوس (ب) (د) (الف) یعنی قوس النباوۃ جو دائرہ کی قوس صعودی اور وصول الی اللہ کا راستہ ہے۔ اس میں بسبب مجاہدات نفس و کمالات ذات انبیائ کے مدارج متفاوت ہوتے ہیں۔ جیسے کہ نقطہ ہائے (و) (ز) (ح) کی حالت سے ظاہر ہے۔ نقطہ وٓ سے ز اور ز سے ح رفیع تر ہے۔ لیکن نقطہ ح سب نقاط سے ارفع اور اعلیٰ اور نقطہ الف سے ایسا واصل ہے کہ ان دونو میں دوسرے نقطہ کی گنجایش نہیں۔

اور چونکہ نقطۂ الف مبدء عالم امر فرض کیا گیا ہے۔ پس نقطہ ح واصل مبدء عالم امر ہے اور سب نقاط سے آخری نقطہ ہے۔ جس کے آگے نقطہ الف کے سوا اور کوئی نقطہ نہیں۔

پس النباوۃ یعنی رفعت شان اور وصول الی اللہ میں انبیاء کرام علیہم السلام کے درجات عالیہ کا یہی حال ہے۔ تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض مسیح موسوی سے مسیح محمدی کا درجہ رفیع تر ہے۔

سے ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو اس سے بہتر غلام احمد ہے۔

اور موسیٰ سے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ بلند تر ہے دلو کان موسیٰ حیاً ما وسعہ الا اتباعی۔ دیکھو مشکوٰۃ دیکھو قوس النبادۃ میں کسی نبی کا درجہ (و) بنے اور کسی کا (ف) ہے۔ اور نقطہ (ح) جو داصل (الف) یعنی مبدء عالم امر ہے۔ اور سب درجات سے آخری درجہ ہے اور مبدء عالم امر کے سوا اس سے کوئی درجہ اونچا نہیں یہ درجہ خاتم النبیین یعنی خاتم المرتفعین کا ہے۔ جو تمام مدارج عالیہ انبیاء کرام علیہم السلام سے اعلیٰ اور ارفع اور اقرب الی اللہ اور آخری درجہ کمال ہے۔ اور جس درجہ کے آگے خدا تعالیٰ کے درجہ کے سوا کوئی درجہ نہیں۔ لیس وراء عبادان قریۃ محقق دوانی علیہ الرحمہ لوامع الاشراق فی مکارم الاخلاق میں لکھتے ہیں۔

"ہر چند امزجہ انسانی باعتدال حقیقی اقرب باشد۔ کمالات او بیشتر تا بمرتبہ نبوت رسد و باز در میان ایشاں مراتب متفاوت باشد تا بمرتبہ ختم نبوت رسد کہ مظہر کل کمالات است۔ وغایت الغایات صلی اللہ علیہ وسلم ست"

(بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر)

صاحب کشاف اصطلاحات علوم لکھتا ہے۔ خاتم در اصطلاح صوفیہ عبارت است از کسے کہ قطع کردہ باشد مقامات را و رسیدہ بود بنہایت کمال سلہ

کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا واصل مبدء عالم امر ہونا یعنی واصل مطلق ہونا

سلہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام مواہب الرحمٰن کے صفحہ ۷۶ پر تحریر فرماتے ہیں "واز لفظ ختم نبوت مراد ختم کمالات نبوت است بر رسول مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم داد از ہمہ پیغمبراں افضل است و اعتقاد میداریم کہ بعد از وے ہیچ پیغمبرے نیست مگر آنکہ از امت او باشد۔ اور الحکم ۲۴ نومبر ۱۹۰۲ء کے صفحہ ۶ پر آپکا ارشاد یوں درج ہے۔ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے یہ معنی ہیں کہ جمیع کمالات نبوت و رسالت آپ پر ختم ہو گئے ہیں

اس امر کا مانع ہے کہ اب کوئی واصل مضاف بھی پیدا نہ ہو۔ اور اب کوئی اس قوس صعودی کے زینہ پر قدم نہیں دھر سکے - یا وصول الی اللہ کا راستہ بالکل مسدود ہو گیا ہے بے شک کوئی امر عقلی اس کا مانع نہیں۔ کیونکہ خاتم النبیین کے مقام کو کوئی حاصل نہیں کر سکتا۔ کیونکہ دو نقطے وصل نقطہ الف نہیں ہو سکتے۔ اس کے معنی ہیں کہ حقیقۃ محمدیہ اپنے مثیل اور نظیر سے آبی ہے۔ دائرہ کا مرکز ایک ہی نقطہ ہو سکتا ہے۔ دو مرکز نہیں بن سکتے - اسی طرح دائرہ نبوت کا مرکز بھی جس کو قرآن کریم نے خاتم النبیین کے لقب سے یاد فرمایا ہے ایک ہی وجود ہو سکتا ہے دو وجود نہیں ہو سکتے۔ دجوھر الحسن فیہ غیر منقسم حسن کا جوہر اسمیں تقسیم ہونیوالا نہیں!

لیکن جیسا کہ دائرہ کا مرکز یعنی طالب غائت وسط ہونا طالب جہت وسط ہونیکا مانع نہیں۔ اسی طرح سے خاتم النبیین کا وجود ذی جود کسی دوسرے نبی کی بعثت کا جو خاتم النبیین کے تحت میں ہو مانع نہیں۔

جس طرح مرکز کی ذات دوسرے مرکز ہونے کے لئے مانع ہے۔ مگر محیط سے لیکر اپنے وجود تک دیگر نقاط کے لئے نہ اپنے ماقبل میں مانع ہے اور نہ بعد میں

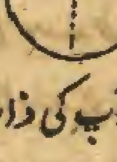

پس دائرہ نبوت کے مرکز جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی جنکا لقب خدا تعالیٰ نے خاتم النبیین رکھا ہے کہ بلاشبہ آپ کی ذات مستجمع الصفات، دوسرے وجود کے مرکز دائرہ نبوت یعنی خاتم النبیین ہونیکی تو ضرور مانع ہے۔ لیکن جب آغاز دائرہ آفرینش سے اپنی بعثت تک انبیاء سابقین کی بعثت کے لئے مانع نہیں ہوئی - تو اب اپنے وجود مبارک سے لیکر انجام دائرہ آفرینش یعنی قیام قیامت تک کیوں مانع ہونے لگی تھی کیا نور محمدی متعدی نہیں - اور کیا آپ کی مشکوٰۃ نبوۃ سے دوسرا چراغ روشن نہیں ہو سکتا۔

اگر خاتم النبیین یعنی خاتم المرتفعین کی ذات مانع بعثت انبیائے لاحقین ہوتی تو قرآن کریم کی آیت کریمہ رفیع الدرجات ذو العرش یلقی الروح من امرہ علیٰ من یشاء

من عبادہ لینذر یوم التلاق میں انبیاء آئندہ کی نسبت یلقی الروح بصیغہ مضارع وارد نہ ہوتا۔ بلکہ بجائے صیغہ مضارع کے القی الروح یا کان یلقی الروح وارد ہوتا۔ اور اس آیت میں روح سے مراد نبوت ہے۔ عن السدی ان الروح ھھنا النبوۃ اور رفیع الدرجات بمعنی رافع درجات الانبیاء ہے، یعنی وہ خداتعالیٰ آئندہ انبیاء کے درجات کو بلند کرنے والا عرش کا خداوند ہے اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس کی طرف چاہتا ہے اپنی روح یعنی نبوت القا فرماتا ہے۔ سابقاً بیان ہو چکا ہے کہ نبی مصدر النباوۃ سے ماخوذ ہے جس کے معنے شیٔ مرتفع کے ہیں اور اس کی تعریف انہ مشرف علی الخلق کلہ کے ہیں۔

آنکہ بہرت نظیرمی آرد ہم ترا در ضمیر مے آرد

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں جو اولوالعزم نبی منجانب اللہ موعود ہوتا رہا ہے خداتعالیٰ ضرور اس کی بعثت کی نسبت اس سے سابق نبی کی معرفت اپنی کتاب میں پیشگوئی فرماتا رہا ہے۔ عہد عتیق میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں اور عہد جدید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کی نسبت پیش گوئی پائی جاتی ہے۔

مگر احمدی جماعت کے مبائعین سیدنا محمود آنے والے مسیح کی نسبت خدا کی کتاب سے تو نہیں بجائے اس کے احادیث نبویہ سے پیشگوئی نکالتے ہیں۔ اور یہ طریقہ سنت اللہ کے برخلاف ہے۔ اگر آنحضرت کے بعد کسی نبی نے آنا ہوتا۔ یا وہ من جانب اللہ موعود ہوتا تو قرآن کریم کی کسی آیت میں اس کی نسبت اشارہ پایا جاتا۔

اس مدعا کے واسطے ہم سورۃ الجمعہ کی اس آیت کو پیش کرتے ہیں۔ خداتعالیٰ فرماتا ہے۔ ھو الذی بعث فی الامیین رسولاً منھم یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین۔ واٰخرین منھم لما یلحقوا بھم وھو العزیز الحکیم ۰

خدا وہ ہے جس نے امیوں میں انہیں میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا جو

ان پر اس کی آیتیں تلاوت کرتا ہے اور ان کو ہر طرح کے گند سے پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب اور دانائی سکھاتا ہے اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے اور دوسروں میں انہیں میں سے جو ابھی تک امیوں کے ساتھ اسلام لاکر نہیں ملے ہیں۔ اور وہ خداتعالیٰ ہے غالب حکمت والا۔

ہمارا دعوےٰ ہے کہ اٰخرین منھم میں ایک رسول مراد ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بروز ہوگا۔ پس اس مدعا کے واضح کرنے کیلئے امور ذیل تنقیح طلب ہیں

(۱) الامیین سے کون لوگ مراد ہیں۔ اور الف لام اس اسم میں کیا ہے۔

(۲) فی الامیین رسولاً منھم میں من کیا ہے۔

(۳) رسولاً منھم میں ھم کا ضمیر کن کی طرف راجع ہے۔

(۴) واٰخرین منھم۔ کا عطف کس پر ہے۔

(۵) اٰخرین سے کون لوگ مراد ہیں۔

(۶) اٰخرین منھم میں من کیا ہے۔

(۷) اٰخرین منھم میں ھم کا ضمیر کن کی جانب راجع ہے۔

(۸) لما یلحقوا بھم میں لما کیا معنے دیتا ہے۔

(اول) امیین امی کی جمع ہے۔ اس کی نسبت اختلاف ہے۔

(الف) بعض کہتے ہیں آم کی طرف منسوب ہے۔ تاج العروس میں ہے۔ الامی نسبۃ الی اللام التی ولدتہ

(ب) بعض کہتے ہیں امی امۃ العرب کی طرف منسوب ہے۔ روح المعانی میں ہے نسبۃ الی امۃ العرب۔

تفسیر مدارک میں ہے۔ الامی منسوب الی امۃ العرب لانھم کانوا لا یکتبون ولا یقرءون من بین الامم۔

پھر اس کے معنوں میں بھی اختلاف ہے۔

بعض کا قول ہے کہ بوجہ ام القری یعنی باشندگان مکہ معظمہ ہونے کے یہ

لوگ امی کہلاتے تھے مجمع بحار الانوار میں ہے - قیل نسبة الی ام القری ای
بعض کا قول ہے کہ بوجہ ان پڑھ ہونیکے عرب کو امی کہتے تھے - لانہ علی اصل
ولادتہ لم یتعلم الکتاب والحساب حدیث شریف میں ہے انا امة امیة لانکتب ولا
نحسب دیکھو تاج العروس-

بعض کہتے ہیں کہ امیین سے اہل کتاب کے سوا خواہ عرب ہوں خواہ عجم سب لوگ
مراد ہیں چنانچہ روح المعانی میں ہے قال بعضهم المراد بالامیین مقابل اهل
الکتاب لعدم اعتناء اکثرهم بالقرأة والکتابة بعدم کتاب لهم سماوی
تدعوهم معرفة الی ذلك -

(دویم) فی الامیین رسولا منهم میں من بلا اختلاف تبعیضیہ ہے

(سوم) اس میں بھی کسی نے اختلاف نہیں کیا اور نہ اختلاف کی گنجایش ہے - کہ
هم کا ضمیر الامیین کی طرف راجع ہے -

(چہارم) واخرین منهم کے عطف کی نسبت تین طرح کا اختلاف ہے -

(۱) بعض کے نزدیک یزکیهم کے مفعول یعنی ضمیر هم پر معطوف ہے - ای یزکیهم و
یزکی اخرین -

(۲) بعض کے نزدیک یعلمهم الکتاب کے ضمیر مفعول پر عطف ہے ویعلمهم
ویعلم اخرین -

(۳) اور بعض کے نزدیک آخرین کا عطف الامیین پر ہے - چنانچہ تفسیر فتح البیان میں ہے

(پنجم) اخرین بفتح خا معجمہ آخر کی جمع ہے جس کے معنی فارسی میں دیگر اور اردو
دوسرے کے ہیں - اور یہ افعل کے وزن پر تو ہے مگر افعل التفضیل نہیں ہے - جیسا کہ
روح المعانی میں ہے - واخرین جمع اخر بمعنی غیر لا اسم التفضیل یعنی حرف الخاء کی
زیر سے نہیں جس کے معنے پچھلے یا بار دیگر کے ہوں - اس کی مراد کے متعین کرنے میں بھی اختلاف ہے

(۱) ایک گروہ کا قول ہے - اخرین سے بھی عرب ہی مراد ہیں - جو نزول آیت کے
وقت ابھی مشرف باسلام نہیں ہوئے تھے -

چنانچہ تفسیر عباسی میں ہے هو الذی بعث ارسل فی الامیین فی العرب
رسولا منهم من نسبهم واخرین منهم وفی اخرین منهم من العرب -

(۲) بعض کے نزدیک تمام اہل اسلام مراد ہیں - جیسا کہ تفسیر ابن جریر میں
ہے وقال اخرون عنی بذلك جمیع من دخل فی الاسلام

(۳) بعض نے آخرین سے مراد ابناء فارس مراد لئے ہیں تفسیر ابن جریر میں
ہے فقال بعضهم عنی بذلك العجم -

(۴) بعض کے نزدیک آخرین سے تابعین اور تبع تابعین مراد ہیں -

(ششم) اخرین منهم کے من میں بھی اختلاف ہے -

(۱) ایک گروہ کا قول ہے کہ اس آیت میں من بیانیہ ہے - یعنی آخرین
هم اے من الامیین

(۲) دوسرے گروہ کا قول ہے - من اسمیہ بمعنی بعض ہے - جیسے ومن
الناس من یقول میں - اخرین منهم لما یلحقوا بهم میں من اسمیہ
مبتدا ہے اور ضمیر هم مع جملہ لما یلحقوا بهم اس کی خبر ہے دیکھو
روح المعانی -

(۳) تیسرے گروہ کا قول ہے کہ اخرین منهم میں من تبعیضیہ ہے -

(ہفتم) اخرین منهم کے ضمیر هم کے مرجع میں بھی اختلاف ہے -

(۱) بعض کہتے ہیں الامیین کی طرف راجع ہے -

(۲) بعض کہتے ہیں اخرین کی طرف عاید ہے -

(ہشتم) حرف لما کی نفی کی نسبت بھی اختلاف ہے -

(۱) ایک گروہ کا قول ہے کہ اس کی نفی غیر متوقع الحصول ہے - کیونکہ صحابہ
کی شان تک کوئی نہیں پہونچ سکتا - خواہ تابعی یا تابع تابعین - اور نہ
ان سے بعد کے لوگ - (دیکھو فتح المعانی)

(۲) دوسرے گروہ کا قول ہے کہ اس کی نفی متوقع الحصول ہوتی ہے دیکھو

فتح البیان۔

(۳) تیسرے گروہ کا قول ہے کہ نہیں لما کی نفی عام ہے خواہ متوقع الحصول ہو یا نہ ہو۔ اور اس آیت میں اس سے یہ مطلب ہی نہیں ہے۔ دیکھو فتح البیان۔

پس اس آیت میں معطوف علیہ اور معطوف کو ایک جگہ رکھکر مفسرین نے مختلف معنے کئے ہیں۔

ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم واخرین منھم لما یلحقوا بھم۔

(۱) جو لوگ الامیین کے معنی بھی عرب اور آخرین کے معنی بھی عرب لیتے ہیں وہ اس طرح پر اس کا ترجمہ کرتے ہیں۔ کہ خدا وہ ہے جس نے عرب اولین میں ایک رسول جو انہیں عربوں میں سے اور دوسرے گروہ عرب میں جو وہ بھی عرب ہی میں سے ہیں برپا کیا۔ تفسیر عباسی میں ہے۔ یقول بعث اللہ محمدا علیہ السلام رسولا فی الاولین والاخرین من العرب۔

(۲) دوسرا گروہ گروہ اول کے برخلاف الامیین سے مقابل اہل کتاب تمام دنیا کے غیر اہل کتاب خواہ فرس ہوں یا ترک عرب ہوں یا عجم مراد لیکر یوں معنی کرتا ہے - وہ خدا ہے جس نے غیر اہل کتاب میں سے اور دوسرے غیر اہل کتاب میں سے اور دوسرے غیر اہل کتاب میں جو پہلے غیر اہل کتاب میں سے ہیں، ابھی اسلام لاکر ان سے نہیں ملے ایک رسول برپا کیا ہے۔

تفسیر روح المعانی میں ہے۔ المراد بالامیین مقابل اھل الکتاب لعدم اعتناء اکثرھم بالقرءة والکتابة لعدم کتاب لھم سماوی تدعوھم معرفتہ الی ذلک فیشتمل الفرس اذ لا کتاب لھم کالعرب۔

(۳) تیسرا گروہ الامیین سے صحابہ اور آخرین سے تابعین مراد لیکر اس طرح پر معنی کرتا ہے کہ وہ خدا ہے جس نے صحابہ رض میں انہیں میں سے اور تابعین [illegible]

میں جو انہیں صحابہ رض میں سے ہی ابھی ان صحابہ سے اسلام لاکر نہیں ملے ہیں ایک رسول برپا کیا ہے۔ دیکھو فتح البیان۔ قال عکرمة ھم التابعون۔

(۴) چوتھا گروہ الامیین سے صحابہ رض اور آخرین سے قیامت تک آنیوالے مسلمان مراد لیتے ہیں اور آیت کا مطلب یوں بیان کرتے ہیں:-

وہ خدا ہے جس نے صحابہ میں انہیں میں سے اور دیگر مسلمانوں میں جو اسلام لاکر ابھی صحابہ سے نہیں ملے ہیں۔ ایک رسول برپا کیا ہے۔ فتح البیان میں ہے۔ قال مجاھد الناس کلھم وکذا قال ابن زید والسدی۔

یہ چاروں گروہ آخرین منھم کا عطف الامیین پر ڈالتے ہیں۔

(۵) پانچواں گروہ آخرین منھم کا عطف یزکیھم کے ضمیر منصوب پر ڈال کر اور معطوف علیہ اور معطوف کو ایک جگہ رکھکر یوں ترجمہ کرتے ہیں۔ وہ خدا ہے جس نے امیین میں انہیں میں سے ایک رسول برپا کیا ہے۔ جو ان کو پاک کرتا ہے اور دوسروں کو بھی پاک کرتا ہے۔ جو امیین میں سے ہیں جو ابھی اسلام لاکر امیین سے نہیں ملے ہیں۔ فتح البیان میں ہے او عطفا علی مفعول یزکیھم ای یزکیھم ویزکی آخرین۔

(۶) چھٹا گروہ آخرین منھم کا عطف یعلمھم کے ضمیر منصوب پر ڈال کر اور معطوف علیہ اور معطوف کو ایک جگہ رکھکر تقدیر عبارت یوں بیان کرتے ہیں ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم ایاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب واخرین منھم لما یلحقوا بھم۔ ترجمہ یوں کرتے ہیں سکھاتا ہے امیین کو کتاب اور دوسروں کو جو انہیں امیین سے ابھی اسلام لاکر امیین سے نہیں ملے۔ تفسیر مدارک میں ہے او منصوب معطوف علی المنصوب فی ای یعلمھم ویعلم آخرین۔ یہ سب گروہ آخرین منھم کے من کو تبعیضیہ قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ روح المعانی میں ہے وفی آخرین منھم [illegible]

(۷) ساتواں گروہ آخرین منھم کے مِن کو اسمیہ یعنی بعض قرار دیکر ضمیر ہم کو مع جملہ لما یلحقوا بھم کے اس کی خبر ٹھیراتا ہے اور یوں ترجمہ کرتا ہے "وہ خدا جس نے امیوں میں انہیں امیوں میں سے اور دوسروں میں ایک رسول برپا کیا۔ بعض ان دوسروں میں سے بھی اسلام لاکر امیوں سے نہیں ملے۔

اور لمّا کے متعلق تین مسلک ہیں۔

(۸) (الف) پہلا گروہ لما کی نفی عام قرار دیکر یوں ترجمہ کرتا ہے کہ خدا وہ ہے جس نے امیوں میں انہیں میں سے اور آخرین میں جو ان امیوں سے ہیں جو نہیں ملے ان امیوں سے ایک رسول برپا کیا ہے۔

(۹) (ب) دوسرا گروہ لما کی نفی کو غیر متوقع الحصول قرار دیکر یوں ترجمہ کرتا ہے۔ خدا وہ ہے جس نے امیوں میں انہیں میں سے اور دوسروں میں جن کی ان امیوں کے مرتبہ تک ملنے کی توقع نہیں ہے ایک رسول برپا کیا۔

(۱۰) (ج) تیسرا گروہ لما کی نفی کو متوقع الحصول قرار دیکر یوں ترجمہ کرتا ہے۔ خدا وہ ہے جس نے امیوں میں انہیں میں سے اور دوسروں میں جن کے ملنے کی ان امیوں تک ... توقع ہے ایک رسول برپا کیا۔ یہ تینوں مسلک دیکھو فتح البیان میں۔

الغرض یہ جدا جدا تین مسلک ہیں۔ لیکن اتنا عرض کرنے کے بغیر ہم نہیں رہ سکتے کہ سوائے اپنے مفسرین کے اقوال کے کوئی بھی مفسرین میں سے اپنے مسلک کی تائید میں حدیث نبوی نہیں پیش کرتا۔ اب گیارہواں مسلک اکابر محدثین کا ہے

(۱۱) جو آخرین کے معنے اس آیت میں اہل فارس لیکر خاموش ہو گئے ہیں۔ نہ انہوں نے یہ بیان کیا ہے کہ

آخرین منھم میں مِن تبیینیہ ہے یا تبعیضیہ ہے یا اسمیہ ہے اور نہ انہوں نے یہ بحث کی ہے کہ آخرین کا عطف یزکیھم پر ہے یا یعلمھم

کی ضمائر پر۔ البتہ یہ چند امور جو درج ذیل ہیں احادیث سے ثابت ہوتے ہیں

(۱) الامیّین سے مراد صحابہ ہیں۔ جن میں اہل عرب بکثرت تھے اور کوئی اکا دکا اقل قلیل عجمی تھا۔ ان میں مہاجر یعنی قریش اول مرتبہ پر تھے اور انہیں میں سے آنحضرت بھی تھے۔ دوسرے نمبر پر انصار تھے ان سے بھی آپکا گاڑھا تعلق تھا۔ مگر حضور علیہ السلام قریشی کہلاتے تھے۔ اور قریش ہی خیر العرب تھے۔ کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اوسی یا خزرجی نہیں کہا۔ چہ جائیکہ کوئی آپ کو عجمی یا رومی یا فارسی کہتا؟۔

اس آیت کریمہ میں الامیین وارد ہوا ہے اس کا الف لام عہدی ہے، حاشیہ قونوی علی البیضاوی میں ہے۔ اللام للتعریف العہد لان الرسول علیہ السلام معلوم والقوم قوم معلومون فانھم قریش بعث رسول اللہ من بینھم۔[۱]

(۱) پس الامیّین کے متعلق اصح مذہب یہی ہے کہ اس آیت کریمہ میں مقابل اہل کتاب تمام دنیا کے غیر اہل کتاب اقوام مراد نہیں بلکہ جیسا کہ اس حدیث صحیح سے جس کو امام بخاری مسلم ابو داؤد نسائی ابن منذر ابن مردویہ نے متفق علیہ اور طرق متعددہ سے روایت کیا ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا امة امیة لا نکتب ولا نحسب[۲] (الدر المنثور) اہل عرب ہی مراد ہیں چنانچہ فتح البیان میں ہے۔ عن ابن عمر قال رسول اللہ انا امة امیة لا نکتب ولا نحسب اخرجه الشیخین وغیرھما رسولا منھم ای من انفسھم ومن بینھم ومن جملتھم کما فی قوله تعالیٰ لقد جاءکم رسول من انفسکم وما کان حی من احیاء العرب الا ولرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیھم قرابة وقد ولدوہ ووجه الامتنان یکونه منھم۔[۳]

(۲) وآخرین کا عطف الامیّین پر ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ...

پوچھا من ھم ھولاء یارسول اللہ لم یلحقوا بنا[1] تو حضور علیہ السلام نے سلمان کے سر پر ہاتھ رکھکر فرمایا۔ رجال من[2] ھولاء۔

دیکھو پوچھنے والا امّی تھا۔ اس نے پوچھا کہ آخرین کون ہیں جو ہم سے نہیں ملے آپنے فرمایا رجال من ھولاء۔

پوچھنے والے نے بھی الامیین پر عطف سمجھا اور نبی کریم نے بھی الامیین پر آخرین کے عطف ہونیکا اظہار فرمایا۔

اس آخرین سے جن لوگوں نے اہل عرب یا تابعین یا موالی عرب یا تمام اقوام مختلفہ جو ہنوز مشرف باسلام نہیں ہوئے تھے۔ مراد لئے ہیں۔ اس کی مؤید کوئی حدیث نہیں ہے۔ اور ابناء فارس مراد لینے کے لئے اثبت الاخبار واصح[3] حدیث موجود ہیں۔

حدیث سے تو سوائے اہل فارس کے جنکی نسبت خیر العرب قریش وخیر العجم اہل فارس جیسا کہ ابن خلکان حضرت امام زین العابدین کے حالات میں لکھتا ہے کہ حضرت کو اسی وجہ سے لوگ ابن خیرتین کہتے تھے کہ آپکے والد خیر العرب قریش تھے اور والدہ خیر العجم اہل فارس میں سے تھی۔ اور یہ وہ حدیث ہے: جس میں شارح علیہ السلام اس آیت کے لفظ آخرین کی تفسیر ابناء فارس سے فرمائی۔ عن[4] ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال کنا جلوسًا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین نزلت سورۃ الجمعہ فتلاھا فلما بلغ وآخرین منھم لما یلحقوا بھم قال لہ رجل یارسول اللہ من ھولاء الذین لم یلحقوا بنا فوضع یدہ علی راس سلمان فارسی فقال والذی نفسی بیدہ لو کان العلم فی الثریا لتنالہ رجال من ھولاء۔ اور یہ حدیث ایسی ہے جسکو امام بخاری مسلم ترمذی نسائی۔ ابن جریر ابن منذر ابن مردویہ ابو نعیم بیہقی جیسے اکابر آئمہ حدیث نے روایت کیا ہے۔ دیکھو الدر المنثور۔

عن ابی جعفر ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم قرء ھذہ الآیۃ فقیل لہ من ھولاء فوضع یدہ علی کتف سلمان وقال لو کان الایمان فی الثریا لنالہ رجال من ھولاء[1]۔

اور بخاری کی روایت میں رجل اور رجال من ھولاء۔ آیا ہے۔ اسی وجہ سے محدثین نے مفسرین کے برخلاف آخرین منھم کے لئے سوا اہل فارس کے اور کوئی قوم مراد نہیں لی ہے۔ اخرج سعید ابن منصور وابن مردویہ عن قیس ابن عبادہ ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال لو کان الایمان فی الثریا لنالہ رجال من اھل فارس[2] (دومنثور)

اہل تشیع کی حدیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ اس آیت میں آخرین سے اہل فارس ہی مراد ہیں۔ عن ابی جعفر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قرء ھذہ الآیۃ فقیل لہ من ھولاء فوضع یدہ علی کتف سلمان وقال لو کان العلم فی الثریا لنالہ رجال من ھولاء۔ مجمع البیان

اور حدیث میں جس طرح قریش کی فضیلت وارد ہے۔ ویسے ہی اہل فارس کی فضیلت بھی مروی ہے۔ قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم للہ تعالیٰ من عبادہ خیرتان فخیرتہ من العرب قریش ومن العجم فارس۔ دیکھو ابن خلکان[3]۔

(۲) آخرین منھم میں من تبعیضیہ لینے کے لئے آیت میں کوئی قرینہ موجود نہیں۔ اور ایسا ہی اس من کے اسمیہ ہونے پر بھی کوئی قرینہ موجود نہیں ہے۔

اور تبعیضیہ لینے کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول من ھولاء جو صدر کی حدیث میں موجود ہے کافی ہے۔ جیسا کہ من ھولاء کا من ہے ویسا ہی منھم کا من ہے۔ جیسا کہ حدیث کے من ھولاء سے آخرین ...

(۳) آخرین منہم کا ضمیر ھم کا مرجع قریب آخرین کو چھوڑ کر مرجع بعید الامیین کے لئے قرار دینے پر بھی آیت میں کوئی قرینہ نہیں ہے۔ اور مرجع قریب یعنی آخرین قرار دینے کے لئے متعدد حدیثیں موجود ہیں۔ حضرت سلمان اہل فارس سے تھے حضرتؐ نے ان پر ہاتھ رکھکر فرمایا من ھٰؤلاء۔ اور یہ منہم کی تفسیر ہے۔ ھٰؤلاء کا اشارہ اہل فارس کی طرف تفسیر کرتا ہے۔ اور ہم کی ضمیر آخرین کی طرف ہے۔ اگر ھؤلاء کا اشارہ اہل فارس کی طرف ہے تو ھم کی ضمیر بھی اہل فارس کی جانب راجع ہے۔ جو اس آیت میں آخرین سے تعبیر ہوئے ہیں۔ پھر جب رجوعاً منہم اور رجل منہم پر غور کیا جائے۔ تو بالکل اسکی تصدیق ہوجاتی ہے۔ کہ ھم کا مرجع لفظ آخرین ہے۔ لیکن یہ نکتہ آگے چلکر کھولا جائیگا۔

(۴) لما یلحقوا بھم میں جو اشخاص کے لما کی نفی کو غیر متوقع الحصول کہتے ہیں وہ یہ حجت پیش کرتے ہیں۔ لان التابعین و من بعد ھم لا یدرکون شان السابقین من الصحابۃ لیکن ہم ان سے پوچھتے ہیں۔ واما امتی کالمطر لا یدری اولہ خیر ام آخرہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں فرمایا ہے اگر صحابہ کے بعد کسی کا رتبہ صحابیت تک پہونچنا محال تھا۔ تو ام اولہ خیر ام آخرہ کیا معنے رکھتا ہے۔ ماسوائے اس کے شرف باعتبار قرب ہوتا ہے اور فضل باعتبار تکمیل نفس ہوتا ہے بیشک یک صحابی کو جو شرف باعتبار قرب اور آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کی صحبت کے حاصل ہے وہ غیر صحابی کو نہیں حاصل ہو سکتا۔ دیکھو جسمانی صحبت تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل نہیں ہے مگر تمام صحابہ پر ان کو فضیلت حاصل ہے اسی طرح سے تمام وہ لوگ جو حضرت مسیح علیہ السلام کی آمد کے قایل ہیں۔ خواہ ان کو نبی مانیں یا نہ مانیں اس امر پر متفق ہیں۔ کہ حضرت مسیح موعود کو تمام صحابہ پر فضیلت حاصل ہے کیا کوئی کہہ

شرف حاصل نہیں کیا۔ اور اسی طرح سے کوئی ہے کہ یہ کہہ سکے کہ وہ مشرف باسلام نہیں ہوا۔ یا کوئی ہے کہ یہ کہہ سکے وہ ثم حسن سلامہ نہیں تھا پھر کیا وہ مسیح سے افضل ہو سکتا ہے۔ جب نہیں ہو سکتا تو اب امامتی کالمطر لا یدری اولہ خیر ام آخرہ کی حدیث سچی ہو گئی۔ اور سچے ہونے سے لما یلحقوا بھم میں لما کی نفی متوقع الحصول ٹھیری نہ غیر متوقع الحصول۔ مغنی میں ہے۔ ان نفیھا مستمر النفی الی الحال۔ اور دوسرے مقام پر لکھتا ہے الرابع ان منفی لما متوقع ثبوتہ بخلاف منفی لم الا تری ان معنی بل لما یذوقوا عذاب ای انھم لم یذوقوہ الی الان وان ذوقھم متوقع۔ قال الزمخشری فی۔ و لما یدخل الایمان فی قلوبکم ما فی لما من معنی التوقع دال علی ان ھؤلاء اٰمنوا فیما بعد۔

خلاصہ کلام آخرین کا الامیین کے رتبہ تک لحوق پا جانا متوقع الحصول ہے۔ نہ غیر متوقع الحصول۔

یہ امر تو واضح ہے جیسا کہ سابقاً بیان ہو چکا ہے کہ واٰخرین منہم کا عطف الامیین پر ہی ترجیح رکھتا ہے۔ چنانچہ قنوی لکھتا ہے عطف علی الامیین لان فیہ نص بحا بالبعثۃ الیھم وھو الاھم۔ اور آخرین مثل الامیین مجرور حرف فی ہے۔ جیسا کہ روح المعانی میں ہے و عطف علی الامیین ای فی آخرین منہم۔

اور بوجہ مجرور رجار ہونے کے بقرینۂ فقرہ اولی فعل مقدر یعنی بعث کے متعلق ہے اور چونکہ فعل بعث متعدی ہے اور ہر فعل متعدی مفعول کو چاہتا ہے اس لئے اس کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو ضمیر منصوب اس میں مقدر مانا جائیگا۔ جس کی صورت صاحب تفسیر فتح البیان نے اس طرح پر دکھائی ہے۔ ای بعث فی الامیین الذین علی عھدہ و

اللہ علیہ وسلم کی دو بعثتیں ثابت ہوتی ہیں۔ ایک الامیین اللذین علیٰ
عرصلاۃ ہیں۔ دوسری آخرین منھم لما یلحقوا بھم میں۔

اور پیشتر ثابت ہو چکا ہے کہ اس آیت میں الامیین سے عرب اور آخرین سے اہل فارس مراد ہیں۔ لہذا حضور کی بعثت اولیٰ خیر عرب قریش میں ہے۔ اور بعثت اخریٰ خیر عجم ابناء فارس میں ثابت ہوتی ہے۔

لیکن ایک ذات کی نسبت دو مختلف قوموں کے حق میں وَلَدٌ وَہٗ نہیں کہا جا سکتا۔ اور الامیین کے حق میں وَلَدٗ ذَاۃ متحقق ہے۔ اس لئے ناچار یہی کہنا پڑتا ہے کہ حضور علیہ السلام کی دوسری بعثت ایک دوسرے رنگ میں ہے اور وہ یہ ہے کہ آخرین یعنی اہل فارس میں ایک ایسا شخص ہونا چاہیئے جو آپکا پورا ظل اور آپ کا بروز کامل ہو۔ جس کے اتباع سے آخرین جن کی نسبت لما یلحقوا بھم ای با لامیین وارد ہوا ہے۔ الامیین سے لحوق حاصل کریں۔

ورنہ اس فعل بعث مقدر کا مفعول بقرینہ فقرۂ سابق (یعنی بعث فی الامیین رسولاً) ایک اسم ظاہر نکالنا پڑے گا۔ اور وہ لفظ رسولاً ہے۔ اور تقدیر عبارت آیت یوں ہوگی ھوالذی بعث فی الامیین رسولاً منھم وبعث فی آخرین رسولاً منھم۔ اس صورت میں دوسرے رسول کی بعثت آنحضرت کے بعد ثابت ہوتی ہے۔

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ حدیث میں تو رجل من ھولاء مروی ہے، اور یہی تم کہتے ہو کہ یہ حدیث وآخرین منھم کی تفسیر ہے۔ اور پھر اس کے سائقہ وآخرین منھم کی تفسیر وبعث فی آخرین رسولاً منھم کرتے ہو کجا رجل کجا رسول۔ رجل تو فرد من افراد الامۃ ہونے پر دلالت کرتا ہے اور رسول کی شان اس سے ارفع ہے کہ اس کو رجل کے لفظ سے تعبیر کیا جاوے۔

لیکن صاحب کشاف اور اس کی تبعیت سے صاحب مدارک نے اسی آیت ھوالذی بعث فی الامیین رسولاً منھم کی تفسیر میں رجلاً امیاً لکھا ہے۔ اور طیبی نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ جناب رسول خدا کو رجلاً سے تعبیر کرنا ایک گستاخانہ تفسیر ہے۔ صاحب کشاف کی طرف سے قوی جواب دیتا ہے کہ صاحب کشاف نے منصب تفسیر نگاری کا لحاظ رکھ کر بوجہ نکرہ ہونے لفظ رسولاً کے اس آیت میں رجلاً سے تعبیر کیا ہے پس ایسا ہی وآخرین منھم میں جبکہ تقدیر عبارت اس طرح پر ہے وبعث فی آخرین رسولاً منھم۔ رسولاً کی تنکیر کی وجہ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی رجل من ھولاء فرمایا ہے۔ کیونکہ نکرات معینہ نکرات کی حد سے نکل جاتی ہیں۔ رضی لکھتا ہے۔ ویخرج منہ النکرات المعینۃ نحو لقیت رجلاً اذا علم المتکلم ذلک الملقی اذ لیس فیہ اشتراک لا استعمالا ولا وضعاً۔ قرآن کریم میں ہے۔ ولقد ارسلنا الیکم رسولاً شاھداً علیکم کما ارسلنا الیٰ فرعون رسولاً۔ دونوں جگہ رسولاً نکرہ معینہ ہے۔ پہلے رسولاً سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں اور دوسرے سے حضرت موسیٰ۔

لہذا رجل من ھولاء۔ میں بھی رسول ہی مراد ہے۔ نہ فرد من افراد الامۃ۔

خلاصہ کلام خواہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بعثتیں ہوں یا آخرین منھم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی رسول کا وجود ثابت ہوتا ہو۔ ہمارا مدعا ثابت ہے۔ چونکہ ایک ذات کیلئے دو مختلف قوموں کی نسبت ولد ولاہ کا کہنا محال ہے۔ الامیین عرب ہیں۔ بنی امیؐ کی نسبت ان کا دلدناہ کہنا زیبا ہے۔ اہل فارس اس حرف کو زبان سے نکالنے کی جرأت ہی نہیں کر سکتے۔ اس لئے آخرین میں اس کا نائب قرار دینا پڑتا ہے۔ چونکہ منسوب عنہ رسول ہے نائب اپنے منسوب عنہ کی طرف سے کار رسالت انجام دیکر رسول کہلانے کا مستحق ہے۔

نائب کا کام منسوب عنہ کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ایک مقام میں یعنی بعث فی الامیین رسولاً میں آپ کی بعثت بالرسالت کا آفتاب چمک رہا ہے۔ اور دوسرے مقام میں یعنی آخرین میں آپ کی بعثت بالنیابت کا چاند بذریعہ ایک رجل فارسی کے روشن ہے۔

بعثت اولیٰ میں آپ ظاہری طور پر رسول ہیں۔ دیکھو ھو الذی بعث فی الامیین رسولاً منھم اور بعثت ثانیہ میں آپ مقدر طور پر رسول ہیں۔ دیکھو و آخرین منھم۔ اس جگہ آپ کی رسالت مضمر ہے یہ تو آپ کی دو بعثتوں کا حال ہے۔

اگر اس میں چون وچرا کرو تو ہم ڈنکے کی چوٹ سے کہتے ہیں و آخرین منھم میں رسولاً مقدر ہے اور تقدیر آیت اس طرح پر ہے۔ ھو الذی بعث فی الامیین رسولاً منھم و آخرین رسولاً منھم۔

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ الامیین اہل عرب کو قرار دینے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مخصوص عرب ہوجاتی ہے جو آیت وما ارسلنٰک الا کافۃ للناس کے منافی ہے۔ اور یہ خصوصیت آنجناب کو بھی ناگوار معلوم ہوتی تھی۔ چنانچہ مجمع بحار الانوار میں ہے کہ ایک شخص نے یہ کہا تھا انک رسول الامیین۔ یعنی آپ عرب کے لئے رسول ہیں اور ان کے سوائے اور قوموں کے لئے نہیں ہیں۔ تو حضرت نے ان کی نسبت فرمایا ھذا اما القی الیہ الشیطان۔ لہذا جو شخص کہ اس آیت کریمہ کے مفہوم کو عرب ہی سے مخصوص کرنا چاہتا ہے اس کو ما القی الیہ الشیطان کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

لیکن یہ اعتراض اس وقت وارد ہو سکتا تھا جبکہ بعث حرف لام یا الیٰ کے صلہ کے ساتھ ہو۔ اور صورت آیت اس طرح پر ہو ھو الذی بعث للامیین رسولاً۔ یا ھو الذی بعث الی الامیین رسولاً۔ چونکہ اس آیت میں بعث کا صلہ [illegible]

مفسرین نے بعثہ الیھم کے ساتھ اس کی تفسیر کی ہے انہوں نے سخت ٹھوکر کھائی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت مخصوص تھی ارسلنا الیٰ فرعون رسولاً وارد ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت عام تھی ارسلنا الیکم رسولاً ارشاد ہوا۔ کم کی ضمیر میں قیامت تک کے تمام مسلمان شامل ہیں۔ وقس علیہذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت چونکہ خاص بنی اسرائیل کے لئے تھی۔ اس لئے رسولاً الیٰ بنی اسرائیل وارد ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت عامہ تھی۔ بعث فی الامیین نازل ہوا۔

اور صاحب فتح البیان کا یہ کہنا والاقتصار ھھنا علی المبعوث الیھم علی الامیین لا ینافی انہ مرسل الی غیرھم لان ذلک مستفاد من دلیل اٰخر لقولہ وما ارسلنٰک الا کافۃ للناس ٹھیک نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عامہ کا مفہوم اس آیت کے مفہوم سے خارج رہتا ہے۔ اور جب تک کہ وما ارسلنٰک الا کافۃ للناس۔ کی آیت کے مفہوم کو اس آیت کے مفہوم کیساتھ نہ ملایا جاوے۔ تب تک حضور علیہ السلام کی بعثت کی عمومیت کے اظہار سے اس آیت کا مفہوم قاصر رہتا ہے۔

اور المراد بالآخرین من جاء بعد الصحابۃ الیٰ یوم القیمۃ یا الناس کلھم کہنا بھی ٹھیک نہیں۔ کیونکہ بیشک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت امیین یعنی صحابہ ہی میں محدود نہیں تھی۔ بلکہ کافۃ للناس تھی۔

لیکن اس آیت سے تو آخرین کا صحابہ کے مدارج کیساتھ لحوق ثابت ہوتا ہے۔ اور وہ الناس کلھم اور کل من جاء بعد الصحابہ الیٰ یوم القیمۃ میں نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ صحابہ کو شرف صحبت رسول کریم حاصل تھا دوسرے لوگ اس شرف سے محروم تھے۔ اور یہ شرف بغیر صحبت رسول کے غیر ممکن ہے۔

اگر کہا جاوے کہ اس آیت کریمہ میں تمہارے مسلک کے مطابق بعث ماضی کا صیغہ معطوف علیہ کے لحاظ سے اس کے معنے ماضی کے لئے جاتے ہیں۔ مگر معطوف کے لحاظ سے اس کے معنی استقبال کے لئے جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ایک ہی لفظ کے معنے معطوف علیہ میں ماضی کے کرنے اور معطوف میں استقبال کے کرنا قواعد نحویہ کے برخلاف ہیں۔

اس کے جواب میں ہم سورہ احزاب کی اس آیت کو پیش کرتے ہیں واورثکم ارضهم و دیارهم و اموالهم و ارضا لم تطؤها۔ اور ورثہ دیا تم کو ان کی زمین اور ان کے گھر اور ان کے مال کا اور ایک زمین کا جس پر تمہارے قدم نہیں پھرے۔ فتوی اس آیت کی تفسیر کے متعلق لکھتا ہے والمعنی واورثکم ای سیورثکم ولتحققه عبر عنه بالماضی یعنی اورثکم نے معطوف علیہ میں تو ماضی کے معنی دیئے ہیں۔ مگر معطوف میں بباعث اس کے تحقیق وقوع کے استقبال بلفظ ماضی آیا ہے۔

پس اسی طرح هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم معطوف علیہ میں بعث ماضی ہے اور و آخرین منهم لما یلحقوا بهم معطوف میں سیبعث فعل استقبال بباعث تحقق وقوع بلفظ ماضی ہے۔

یا جیسا کہ فتوی نے اسی آیت کی دوسری تاویل کی ہے کہ اورثکم فی علمه وقضائه ارضا لم تطؤها۔ معطوف میں بھی اورث یعنی فعل ماضی ہی مقدر ہے۔ اور معنی آیت کے یہ ہیں۔ کہ تم کو خدا نے اپنے علم اور قضاء میں اس زمین کا بھی وارث بنادیا ہے۔ گو ابھی تمہارے قدم اس پر نہیں پھرے ہیں اسی طرح هو الذی بعث فی الامیین معطوف علیہ میں بعث فعل ماضی ہے اور آخرین منهم معطوف میں بھی فعل بعث یعنی ماضی مقدر ہے۔

تفسیر روح المعانی میں ہے والظاهر ان العطف علی ارضهم واستشکل

بان الاورث ماض حقیقة بالنسبة الی المعطوف علیه ومجازا بالنسبة الی هذا المعطوف واجیب بانه یراد باورثکم واورثکم فی علمه وتقدیره وذلك متحقق فیما وقع من الارث كارضهم ودیارهم واموالهم فیما لم یقع بعد کارث مالم تکن مفتوحا وقت نزول الایة وقد یبعضهم اورثکم فی جانب المعطوف مرادا به یورثکم الا انه عبر بالماضی لتحقق الوقوع والدلیل المذکور استبعد دلالة المذکور علیه لتخالفهما حقیقة و مجازا وقیل الدلیل ما بعد من قوله تعالی وکان الله علی کل شیء قدیرا ثم اذا جعلت الارض شاملة لما فتح علی ایدی الحاضرین ولما فتح علی ایدی غیرهم ممن جاء بعدهم لا یخص الخطاب الحاضرین قال عکرمه کل ارض تفتح علی المسلمین الی یوم القیامة۔

قال قتادہ کنا نتحدث انها مکه۔

قال یزید ابن رومان وابن زید ومقاتل انها خیبر (فتح البیان)

یہ ظاہر ہے کہ وارضا لم تطؤها کا عطف ارضهم پر ہے۔ اب مشکل یہ ہے کہ اورث ماضی ہے اور معطوف علیہ کے لحاظ سے حقیقی معنی اور معطوف کے لحاظ سے مجازی معنی دیتا ہے۔ اور اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ بادرثکم واورثکم سے یہ مراد لی گئی ہے کہ اللہ تعالے کے علم اور اس کی تقدیر میں یہ ثابت شدہ بات ہے کہ جو سرزمین اس آیت کے نزول کے وقت تک ابھی مسلمانوں کے پاؤں تلے نہیں آئی اور آگے چلکر ضرور آئیگی وہ کفار کی اس زمین اور ان کے ان گھر اور ان اموال کی طرح ثابت شدہ اور مقررہ ہے جنکے وہ وارث ہو چکے ہیں۔ اور بعض نے یہ تاویل کی ہے کہ اورثکم سے معطوف میں یورثکم مراد ہے۔ لیکن صیغہ استقبال یورثکم ماضی کے ساتھ اس وجہ سے تعبیر ہوا ہے کہ اس کا وقوع میں آنا محقق اور ضروری ہے۔ اور اس کی دلیل وہی ہے جو سابقاً مذکور ہو چکی ہے

البتہ حقیقت اور مجاز میں ان دونوں کے باہم مخالف ہونیکی وجہ سے امر مذکور پر اس کی دلالت کسی قدر بعید ہے اور بعض نے اس کی دلیل اللہ تعالی کا یہ قول:- وکان اللہ علی کل شیئٍ قدیرا۔ بیان کیا ہے جو اس آیت کے بعد ارشاد ہوا ہے چونکہ لفظ ارض شامل ہے اس زمین کو جو حاضرین کے ہاتھوں سے فتح ہوئی ہے۔ اور جو ان کے بعد ان سے پیچھے آنیوالوں نے فتح کی ہے۔ اس لئے خطاب حاضرین کے ساتھ خاص نہیں رہا۔

عکرمہ کہتا ہے کہ وارضا لم تطؤھا سے وہ ساری زمین مراد ہے جو قیامت تک مسلمانوں کے ہاتھ پر فتح ہوگی۔

قتادہ کہتا ہے کہ ہم ذکر کیا کرتے تھے کہ وہ سرزمین مکہ ہے۔

یزید ابن رومان اور ابن زید اور مقاتل کا قول ہے کہ وہ خیبر ہے الغرض جس طرح اس آیت کریمہ کے معطوف میں بقرینہ معطوف علیہ اولی تکم یا یورثکم مقدر ہے۔ اسی طرح سے وآخرین منھم میں تقدیر کلام وبعث فی آخرین رسولا منھم یا یبعث فی آخرین رسولا منھم ہے۔ جس سے یا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بعثتیں ثابت ہوتی ہیں یا حضرت کے ایک ظلی نبی کی بعثت پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے۔ اور کان اللہ علی کل شیئٍ قدیرا کی طرح

دیکھو جب آفتاب سمت الراس میں ہوتا ہے۔ ظل اپنے ذی ظل میں پوشیدہ ہوتا ہے۔ اسی طرح وآخرین منھم کا رسول ظلی اپنے بعث فی الامیین رسولا منھم کے رسول ذی ظل کی ذات میں مخفی ہے۔ جب بعث فی الامیین رسولا منھم کے رسول کا ظہور تھا۔ تو آخرین منہم کا رسول مقدر تھا۔

جب بعث فی آخرین رسولا منھم کے رسول کے بروز کا وقت آیا۔ تو بعث فی الامیین رسولا منھم کا رسول اس میں مضمر ہوگیا۔

یا یوں کہو کہ جیسا کہ سیاق آیت کریمہ سے ظاہر ہے کہ جب بعثت اولی ظاہر تھی۔ تو بعثت ثانیہ اس میں مقدر تھی۔ اب جو بعثت ثانیہ جلوہ افروز بروز ہوئی

تو بعثت اولی اس میں مضمر ہے۔

خلاصہ کلام اس آیت میں بعثت اولی یا اول کی بعثت میں بعثت اخری یا آخر کی بعثت مقدر ہے اور بعثت اخری یا آخر کی بعثت میں بعثت اولی یا اول کی بعثت مضمر ہے ؎ نہ او غیر این ونہ این غیر او۔ للہ در من قال۔

رق الزجاج ورقت الخمر۔ فتشابہا وتشاکل الامر۔ فکانما خمر ولا قدح۔ وکانما قدح ولا خمر

جس طرح بوقت تحت الشعاع۔ قمر آفتاب کی کرنوں میں چھپا ہوا نظر سے اوجھل ہوتا ہے۔ اسی طرح اس آیت کریمہ میں وفی آخرین منھم کے رسول کا چاند۔ بعث فی الامیین رسولا منھم کے شمس بازغہ کے نور میں مقدر تھا لیکن جب فی الامیین رسولا منھم کا آفتاب دنیا کی نگاہ سے حجاب اختفا میں ہوگیا تو آخرین منھم کا رسول چودھویں صدی کے سر پر چودھویں رات کے چاند کی طرح اولی الابصار کی چشم بصیرت میں جلوہ گر ہوگیا۔

چونکہ بقواعد نحویہ وآخرین کا عطف فی الامیین پر ہے۔ جیسا کہ تفسیر کبیر میں ہے آخرین کا عطف علی الامیین یعنی بعث فی آخرین منھم لہذا آخرین مجرور رجار ہو کر متعلق فعل بعث ہو جاتا ہے۔ اور بعث فعل متعدی ہونیکی وجہ سے خواستگار مفعول ہے۔ جس کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا ضمیر مقدر راجع الی رسولا یا اسم ظاہر خود رسولا۔ بصورت اول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بعثتیں اور بصورت ثانی آنحضرت کے بعد دوسرے رسول کی بعثت ثابت ہوتی ہے۔

مفسرین کو ... ... شق اول کی نسبت یہ مشکل پیش آئی ہے کہ ایک وجود کی دو بعثتیں امر محال ہیں۔ اور دوسری شق میں ان کو خیال پیدا ہوگیا کہ حضرت کے بعد خواہ کسی قسم کا بھی دوسرا رسول نہیں آ سکتا۔ لہذا اس آیت کریمہ میں مختلف مسلک اختیار کر کے تفرقوا شذر مذر ہو گئے۔

سب سے اول آخرین منہم کے مرجع قریب آخرین کو چھوڑ کر جس کی تفسیر شارع علیہ السلام نے من ھٰؤلاء سے بیان فرمائی تھی - باوجود سلمان کے کندھے پر ہاتھ رکھکر من ھٰؤلاء کا اشارہ فرمانیکے کہ آخرین منھم میں ھم کا ضمیر آخرین یعنی اہل فارس کی طرف راجع ہے - جن میں سے سلمان بھی ایک فرد ہے لیکن اس اشارہ صریحہ کی طرف سے اغماض نظر کر کے ضمیر ھم کا مرجع بعید الامیین کو قرار دینے کا تکلف گوارا کرنے لگ گئے۔

خیر اتنے راستہ تک تو زور میں چلے آئے - لیکن یہاں سے تین راستے نکلتے تھے کہ منہم کا من تبعیضیہ ہے یا تبیینیہ یا اسمیّہ باوجودیکہ حدیث مخبر صادق علیہ السلام من ھٰؤلاء کہکر باواز بلند پکارتی رہی - کہ من ھٰؤلاء منہم کی تفسیر ہے - اور قرآن اور حدیث میں دونوں جگہ من تبعیضیہ ہے - لیکن اس بشارت کے سننے سے کان بند کر کے بعض اسمیہ اور بعض تبیینیہ کہنے لگ گئے۔

اس کے بعد آخرین کے تعیّن میں سخت الجھ گئے - ہر چند نبی امی فداہ امی وابی حضرت سلمان پر دست مبارک رکھکر اور ھٰؤلاء فرما کر اہل فارس کی نسبت بالصراحۃ فرماتے ہے - وہ نہ عرب ہیں نہ ترک ہیں نہ دیلم ہیں نہ اہل ہند ہیں نہ حبش ہیں - مگر انہوں نے اس کی طرف التفات نہ کر کے کوئی ان میں سے اہل عرب کا دامن پکڑنے لگ گیا اور کوئی اقوام مختلفہ کا گریبان کھینچنے لگ گیا۔

پھر جب آخرین منہم کے عطف پر بات آئی تو بعض نے سیدھا راستہ لیا - اور الامیین کے دامن سے باندھ دیا - اور بعض نے یتلوا علیہم کی اور بعض نے یزکیھم اور بعض نے یعلمھم کی ضمیر منصوب سے جکڑنا چاہا - اور یہ کہکر دل کو تسلی دے لی کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم بالقوہ آنے والی امتوں کے معلم ہیں - کیونکہ علماء امت آنجناب ہی کی تعلیم امت کو دینگے

اور یہ باطل ہے کیونکہ حضور نے آخرین منہم فرمایا ہے نہ آخرین من الامۃ (دویم) امت پر ایک ایسے زمانہ آنیوالے کی حضرت نے خبر دی ہے کہ جب علماء امت اپنے مرتبہ سے گر جائینگے - اور یہود و نصاریٰ کے علماء سے مشابہت پیدا کرلیں گے - جیساکہ بخاری اور مسلم کی اس حدیث سے واضح ہے - عن عبد اللّٰہ بن عمرو قال قال رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم ان اللّٰہ لا یقبض العلم انتزاعًا ینتزعہ من العباد ولکن یقبض العلماء حتی اذا لم یبق عالمًا اتخذ الناس رؤسًا جھالًا فسئلوا فافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا (متفق علیہ) عبد اللہ ابن عمرو سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ بندوں سے چھین کر علم کو نہیں لے لیگا - ولیکن علماء کو قبض کریگا یہاں تک کہ کوئی عالم نہیں رہیگا - تو لوگ اس کو خلیفہ اپنا اور قاضی اور مفتی اور امام اور رئیس جاہل نہ قرار دے لیں گے - لوگ ایسے جاہل علماء سے سوال کریں گے اور وہ فتویٰ دینگے - پھر آپ بھی گمراہ ہو جائیں گے اور ان لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔

اور مشکوٰۃ میں ہے وعن زیاد بن لبید قال ذکر النبی صلے اللّٰہ علیہ وسلم شیئًا فقال ذاک عند اوان ذھاب العلم قلت یا رسول اللّٰہ وکیف یذھب العلم ونحن نقرأ القرآن ونقرئہ ابناءنا ویقرئہ ابناؤنا ابناءھم الی یوم القیمۃ فقال ثکلتک امک زیاد ان کنت لاراک من افقہ رجل بالمدینۃ اولیس ھذہ الیھود والنصاریٰ یقرؤن التورٰیۃ والانجیل لا یعملون بشیء مما فیھما رواہ احمد وابن ماجہ وروی الترمذی عنہ ونحوہ وکذا الدارمی عن ابی امامۃ) زیاد ابن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کسی بات کا ذکر فرما رہے تھے - اسی اثناء میں فرمایا کہ یہ بات علم کے جاتے رہنے کے وقت ہوگی - میں نے عرض کیا یا رسول اللّٰہ

علم کس طرح سے جاتا رہے گا۔ حالانکہ ہم قرآن پڑھتے ہیں۔ اور اپنے بیٹوں کو پڑھاتے ہیں۔ اور ہمارے بیٹے اپنے بیٹوں کو قیامت تک پڑھاتے رہیں گے۔ آپؐ نے فرمایا۔ اے زیاد تیری ماں تجھکو گم کرے میں تیری نسبت خیال رکھتا تھا کہ تو مدینہ کے تمام لوگوں سے زیادہ فقیہ ہے۔ کیا یہ یہود اور نصاریٰ تورات اور انجیل کو نہیں پڑھتے پھر جو کچھ کہ ان دونوں کتابوں میں ہے ان میں سے کسی بات پر بھی عمل نہیں کرتے۔ یعنی اسی طرح قرآن واسلام اٹھ جائے گا۔

اب جب کہ تمام عقلاء ملت پکار رہے ہیں ؎

پستی کا کوئی حد سے گذرنا دیکھے — اسلام کا گر کر نہ ابھرنا دیکھے
مانے نہ کبھی کہ مد ہے ہر جزر کے بعد — دریا کا ہمارے جو اترنا دیکھے

تو پھر کس منہ سے کہا جاتا ہے کہ علمائے امت ہی کے پردہ میں بالقوۃ آنحضرت روحنا فداہ تعلیم دے رہے ہیں۔

یہ بات علمائے اہل سنت کے نزدیک مسلم الثبوت ہے کہ صحابہ کرام کو بوجہ شرف صحبت نبوی تمام افراد امت پر فضیلت حاصل ہے اور کسی غیر صحابی کا صحابہ رضؓ کے رتبہ تک پہونچنا مستبعد رہے۔ لیکن اس آیت کریمہ سے آخرین کا لحوق اس میں یعنی صحابہ رضؓ سے ثابت ہوتا ہے یہ لحوق ظاہر کر رہا ہے کہ ان کو بھی کسی نبی کی صحبت کا شرف حاصل ہوگا۔ اور مسیح موعود کے سوا کسی دوسرے نبی کے آنیکی خبر قرآن و حدیث سے نہیں ملتی۔ پس اصحاب مسیح موعود ہی وہ آخرین ہیں جنکو بوجہ شرف صحبت نبی اللہ المسیح الموعود الاولین یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مراتب میں لحوق حاصل ہوا ہے۔ اور مسیح موعود آخرین یعنی ابناء فارس کا سرتاج ہے۔

ہم مبایعین سیدنا محمود ایدہ اللہ بنصرہ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حق میں ایسے وصف کے بیان کرنے کو جس میں سید ولد آدم صلے اللہ علیہ وسلم

کی تحقیر ہوتی ہو کفر جانتے ہیں۔ لہذا اس اعتراض کا جو ذیل میں درج ہے۔ تحقیقی جواب دینا ضروری ہے۔

قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت **مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد** وارد ہے (پ۲۸ ع ۹) (میں ایک رسول کی بشارت دینے والا ہوں جو میرے بعد آئیگا۔ اس کا نام احمد ہوگا)

مبایعین محمود اس پیشگوئی کو مسیح موعود کے شان میں اعتقاد کرتے ہیں۔ جو سراسر سوء ادبی ہے۔

اللھم عفواً۔ ظاہر ہے کہ لفظ احمدؐ حمد سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی ستودن کے ہیں۔ اور یہ لفظ بصورت افعل بمعنی فاعل۔ زیادہ حمد کرنے والے اور اپنے لئے زیادہ حمد کمانے والے کے معانی کو ظاہر کرتا ہے اکسب للحمد لہ۔ اور بصورت افعل بمعنی مفعول ستودہ یعنی محمود کے معنی ادا کرتا ہے (دیکھو تاج العروس) لیکن بصورت مفعولیت اکثر کے معنی نہیں دیتا۔ کہ اس کے معنی اکثر محمودیۃ من سائر المحمودین سمجھے جاتے ہوں۔ رضی لکھتا ہے قیاسہ ان یکون لتفضیل الفاعل علی غیرہ فی الفعل کاضرب۔ ای ضارب اکثر ضربا من سائر الضاربین ولا یقال اضرب بمعنی مضروب اکثر مضروبیۃ من سائر المضروبین۔

اور اسم محمدؐ تحمید سے ماخوذ ہے جس کے معنی بار بار ستودن کے ہیں اور تحمید حمد سے ابلغ ہے۔ چنانچہ تہذیب میں ہے کثرۃ حمد اللہ سبحانہ بالمحامد الحسنۃ وھو ابلغ من الحمد۔

محمد اسم مفعول ہے جس کے معنے حمد مرۃ بعد مرۃ اخری یعنی بار بار ستودہ کے ہیں (دیکھو تاج العروس)

پس جبکہ تحمید از روئے لغت عرب حمد سے ابلغ ہے تو لفظ محمد بھی

احمد سے ابلغ ہے۔

لفظ احمد شان محبیت اور لفظ محمد شان محبوبیت ظاہر کرتا ہے۔ محب اللہ ہونیکا درجہ اگرچہ درجہ رفیع ہے مگر محبوب اللہ ہونے کا درجہ ارفع ہے۔ احمد بیشک ستودہ خدا ہے۔ مگر محمد باربار ستودۂ خدا ہے۔

لفظ احمد اکثر محمودیتہ من سائر المحمودین کے معنی پر حاوی نہیں۔ دیکھو رضی۔

مگر لفظ محمد باب تفعیل کے اسم مفعول ہونے کی وجہ سے کثرت کے معنے پر حاوی ہے۔ دیکھو تاج العروس۔

اسم محمد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص علم تھا۔ اس علم میں کوئی نبی حضور کا شریک نہیں تھا۔ مجمع بحار الانوار میں ہے لم یسم قبلہ نبی باسمہ صیانۃ من اللہ لھذا الاسم اللہ تعالیٰ نے بوجہ صیانت آپ کے نام پر کسی نبی کا نام نہیں رکھا۔ اسم احمد آنحضرت کا علم کسی نے نہیں لکھا۔ اسم صفت تھا بصورت تسلیم کرلینے اسم علم کے خضر علیہ السلام بھی اس علم میں شریک تھے۔ تاج العروس میں ہے،

حکی ان الخضر علیہ السلام اسمہ کان احمد احمد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم صفت بھی تھا۔ لیکن کوئی نبی اس اسم صفت میں بھی حضور کا شریک نہیں تھا!

اسم احمد حضور کا اسم صفت تھا۔ لیکن تمام انبیاء علیہم السلام اس صفت احمدیہ میں آنحضرت کے شریک تھے۔ کیونکہ ہر نبی اپنی امت میں اکسب للحمد لہ (اپنے لئے زیادہ حمد کمانے والا) اور خدا کا سب سے زیادہ حمد کرنیوالا۔ اور محمود ہوتا ہے۔

تمام کتب شمایل نبوی میں جہاں پر حضرت کے اسماء مبارکہ محدثین نے محمد۔ احمد۔ حامد۔ ومحمود درج کئے ہیں۔ اسم محمد کو اول لکھا ہے، اور بعد میں دوسرے اسماء[۵۱] درج کئے ہیں۔ کیونکہ اسم محمد ہی حضور کا اسم شریف اشہر اسماء تھا۔ تاج العروس میں ہے محمد کان ھذا الاسم الشریف علماً علیہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو اعظم الاسماء واشھرھا۔ یعنی اسم شریف آپکا علم اور تمام اسماء سے بڑا اور زیادہ مشہور تھا۔

پس باوجود ان خصوصیات شریفہ کے جو اسم محمد میں پائی جاتی ہیں قیاس میں نہیں آتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کیوں ایسے اول نمبر کے ابلغ اور جامع کمالات اسم کو مظہرات محبوبیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ ترک کرکے اسم احمد کو جو اس اسم سے دوسرے نمبر پر ہے اور باعتبار وصفیت اور علمیت مشترک بین بعض الانبیاء ہے اور بجز اس پیشگوئی کے قرآن کریم کی دوسری آیت میں نہیں آیا۔ اختیار کیا ہے۔ اس ترجیح بلامرجح کی کیا علت[۵۲] ہے؟

حضرت مسیح علیہ السلام پر تو واجب تھا کہ یہود ونصاریٰ پر سید ولد آدم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعت شان اور علو قدر کو بوجہ احسن ہویدا کرنے کے لئے آپ کے خاص الخاص اول درجہ کے اسم کو جو آپکا علم بھی ہے اور اعلیٰ وصف بھی ہے، اور باعتبار وصفیت یوحد[۵۳] فیہ ولا یوجد فی غیرہ ہے بیان فرماتے۔

کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سید ولد آدم صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب الہی

---

۵۱ بخاری میں ہے عن جبیر بن مطعم قال سمعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان لی اسماء انا محمد وانا احمد وانا الماحی الخ جبیر ابن مطعم سے روایت ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ آپنے فرمایا میرے بہت سے نام ہیں میں محمد ہوں میں احمد ہوں میں ماحی ہوں"۔ اور مسلم میں ہے عن ابی موسیٰ الاشعری قال کان رسول اللہ صلعم یسمی لنا نفسہ اسماء فقال انا محمد واحمد والمقفی۔ ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اسماء مبارکہ بیان کرتے تھے اور فرماتے تھے۔ کہ میں محمد ہوں احمد ہوں اور

ہونے کا علم نہیں تھا۔ اور اگر تھا تو پھر کیا حضرت عیسیٰ نے اس سے تجاہل عارفانہ کیا ہے۔

اگر یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں تو کیا نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ نے سید السادات کو محبوب الٰہی ہونیکا مصداق نہیں جانا۔

یا اسم محمدؐ کے معنے انہ حمد مرۃ بعد مرۃ اخری (بار بار ستودہ) ان کے ذہن سے ذہول کر گئے تھے۔

یا ان کی مادری زبان عبرانی ہو یا سریانی اسم محمدؐ کے معانی ادا کرنے سے قاصر تھی۔ جو انہوں نے اس اول نمبر کے اسم سے عدول کر کے اسم احمدؐ کو جو تمام معانی مذکورہ میں اسم محمدؐ سے دوسرے نمبر پر ہے۔ اس پیشگوئی میں اختیار کیا۔

جب علل مذکورۃ الصدر میں سے کوئی علت بھی ایسی نہیں کہ جس کو لحہ بھر کے لئے بھی قبول کیا جائے۔ تو اول درجہ کے اسم کو چھوڑ کر دوسرے

(بقیہ حاشیہ صـ۱۳۵) ۲ بیشک اسم احمدؐ بوجہ علو شان مظہر جمال آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہے جسکی عظمت تک دوسرا اسم نہیں پہونچ سکتا۔ مگر ماء ولا کالصدا ء ومرعی ولا کالسعدان اسم محمد مرات جلال حضور علیہ السلام ہے اور وصف جلال متضمن صفت جمال ہے لان الجمال قد یوجد بلا جلال والجلال لا یوجد الا بجمال ربما یوجد الجمال فی المناظر الحسان و الجلال لا یوجد الا بسلطان او ما رایت الجمال فی القمر ولیس لہ قسط من الجلال والجلال فی الشمس لہا حظ اوفر من الجمال ۱۲ حضرت مسیح موعود نے بھی اربعین میں یہی فرمایا صـ۱۳ پر (حاشیہ در حاشیہ) ۱ صداء عرب میں ایک کنواں ہے جسکا پانی نہایت میٹھا ہے عرب لوگ کہتے ہیں کہ پانی تو ہے مگر صداء جیسا میٹھا نہیں سعدان ایک قسم کی گھاس ہے اور اسکو اونٹ

دوسرے درجہ کے اسم کو جو علاً مشترک بین بعض الانبیاء اور صفۃً مشترک بین سائر الانبیاء اختیار کرنے کی وجہ بجز اس کے اور کوئی معلوم نہیں ہوتی کہ حضرت عیسیٰ نے یہ پیش گوئی ایسے رسول کے حق میں کی ہے جو خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم سے دوسرے نمبر پر ہے جس کا علم بھی احمد اور وصف بھی احمد ہے۔

چونکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی باعتبار اس صفت کے احمد من جمیع الحامدین ہیں۔ اور مسیح موعود علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا روحانی فرزند ہے۔ اس لئے وہ غلام احمد ہے۔

خدا تعالیٰ نے آیت ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین میں اس کی طرف ایک لطیف اشارہ فرمایا ہے۔ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم مردوں میں سے باعتبار حقیقت محمدیہ یعنی باعتبار ختم کمالات نبوت ہونے اور بوجہ محبوب الٰہی ہونے کے لا نظیر لہ ہے۔ اور چونکہ ۔ کار عاشق نیست جان من دو جاناں داشتن۔۱ اس لئے اس کا کوئی بیٹا بھی نہیں ہے کیونکہ بیٹا باپ کا مثنیٰ ہوتا ہے۔ ولو عاش لکان صدیقاً نبیاً۔ لیکن وہ اللہ کا رسول ہے اور ہر رسول باعتبار اپنی قوم میں زیادہ حمد الٰہی کرنے کے اور اکسب للحمد ہونیکے احمد ہوتا ہے۔ پس باعتبار اس صفت کے یہ رسول تو احمد من جمیع الحامدین ہے اور صفت احمدیت

۱ بلاشبہ تمام انبیاء علیہم السلام محمود ہوتے ہیں۔ اور بوجہ محمودیت محبوب الٰہی بھی ہوتے ہیں۔ مگر محمودیت کے معنی ستودہ شدن کے ہیں۔ اور محمدیت کے معنے بار بار ستودہ شدن کے ہیں۔ اور بار بار ستودہ شدن کثرت پر دلالت کرتا ہے۔ من احب شیئاً فاکثر ذکرہ۔ پس دیگر انبیاء محبوب الٰہی تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاص محبوب اللہ تھے۔

میں تمام انبیاء علیہم السلام کا شریک ہے۔ اس لئے اس کی صفت احمدیت اپنی نظیر اور ابن سے آبی نہیں ہے[1]۔ اور ظاہر ہے کہ بیٹا باپ کا نظیر ہوتا ہے۔ الولد سر لابیہ۔ اس لئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقۃ احمدیہ روحانی ابن کے وجود سے آبی نہیں۔ بلکہ مقتضی ابن روحانی ہے۔ پس خدا تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو ایک روحانی ابن عطا فرمایا جو لفظاً و معناً اظہار احمدیت کرنے والا ہے۔

لفظاً غلام احمد اور معناً ابن احمد ہے اور اپنے باپ احمد مجتبیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی صفت احمدیت سے ایسا متصف ہے۔ کہ وصفاً تو وصفاً علماً بھی احمد ہے۔ بواطی اسمہ اسمی ہو تو ایسا ہو۔ من اشبہ اباہ فما ظلم۔

پس مسیح موعود کا علم احمد ہے اور احمد جیسا کہ سابقاً بیان ہوا۔ احمد سے

---

[1] اسلئے آبی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کی ذات کو نفع رساں خلایق بنایا ہے بحضرت مسیح موعود شہادت القرآن میں فرماتے ہیں۔ اللہ جلشانہ فرماتا ہے کہ اما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض۔ یعنی جو چیز انسانوں کو نفع پہونچاتی ہے وہ زمین پر باقی رہتی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ دنیا میں زیادہ تر انسانوں کو نفع پہونچانے والے گروہ انبیاء ہیں کہ جو خوارق سے معجزات سے پیشگوئیوں سے حقایق سے معارف سے اپنی راستبازی کے نمونہ سے انسانوں کے ایمان کو قوی کرتے ہیں اور حق کے طالبوں کو نفع پہنچاتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ دنیا میں وہ کچھ مدت تک نہیں رہتے۔ بلکہ تھوڑی سی زندگی بسر کرکے اس عالم سے اٹھائے جاتے ہیں۔ لیکن آیت کے مضمون میں خلاف نہیں اور ممکن نہیں کہ خدا تعالیٰ کا کلام خلاف واقعہ ہو۔ پس انبیاء کی طرف نسبت دیکر معنے آیت کے یوں ہوں گے کہ انبیاء من حیث الظل باقی رہتے ہیں اور خدا تعالیٰ ظلی طور پر ہر ایک ضرورت کے وقت میں کسی اپنے بندہ کو

مشتق ہے۔ بدیں وجہ آپ کی نبوت کے دلایل سورۃ الحمد سے کھلتے ہیں۔ اور یہ سورۃ ہمیشہ آپ کے ہاتھ میں رہا ہے۔ اور ہمیشہ آپ اسی سے اپنی نبوت پر استدلال پیش فرماتے رہے ہیں۔ مکاشفات یوحنا باب ۲۔ میں بھی اسی کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ ثم رایت ملاکاً آخر نازلا من السماء ومعہ فی یدہ سفر صغیر مفتوحہ۔ یعنی میں نے ایک فرشتہ آسمان سے نازل ہوتا ہوا دیکھا جس کے ہاتھ میں فاتحۃ الکتاب تھی۔ یعنی سورۃ الحمد تھا۔ پس سب امت سے زیادہ حمد الٰہی کرنے کی وجہ سے وہ احمد ہیں۔

پس یاتی من بعدی اسمہ کی پیشگوئی کا جامہ جو حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ و علی امہ السلام نے اپنے مثیل کا اندازہ لگا کر اپنے مثیل اور ہم قد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے روحانی فرزند احمد کے نام پر سیا ہے۔ وہ انہیں کے ہمسر اور مثیل کے قامت رعنا کے لئے موزوں ہے۔ لیکن بیٹے کے دشمن باپ کے نادان دوست چاہتے ہیں۔ کہ وہ جامہ باپ کے قامت بلند سے گو کسی قدر کوتاہ ہی سہی۔ پھر بھی باپ ہی کو پہنایا جائے۔

(پ ۹۶)

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن میں الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوباً عندھم فی التوریٰت والانجیل وارد ہے اور اس آیت میں یاتی من بعدی اسمہ احمد کی پیشگوئی کی طرف اشارہ ہے۔ اس وجہ سے احمد نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہی ہو سکتے ہیں۔ نہ مسیح موعود علیہ السلام۔

لیکن الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوباً عندھم فی التوراۃ والانجیل کی آیت کریمہ یاتی من بعدی اسمہ احمد کی طرف اشارہ نہیں کرتی۔ کیونکہ یاتی من بعدی اسمہ احمد کی پیشگوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہے۔ جو انجیل میں ہے۔ مکتوباً عندھم فی التوراۃ والانجیل۔ ایسی پیش گوئی پر دلالت کرتا ہے

جو انجیل میں بھی ہو۔ اور توریت میں بھی ہو۔

پس وہ عظیم الشان پیش گوئی جو توریت اور انجیل دونوں میں پائی جاتی ہے وہ مثیل موسیٰ کی ہے۔ جس کی طرف قرآن کریم میں خدا تعالیٰ نے انا ارسلنا الیکم رسولا شاھدا علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا (پ ۲۹ ع ۱۳) نازل فرماکر اشارہ فرمایا ہے کہ جیسے حضرت موسیٰ کو فرعون کی طرف ہم نے رسول بناکر بھیجا تھا۔ اور اس نے اپنے مثیل کے آنے کی پیشگوئی کی تھی۔ سو اب ہم نے موسیٰ کے مثیل کو رسول بناکر تمہارے پاس تم پر گواہی دینے والا کہ تم اس موسیٰ کی پیش گوئی کے مطابق اس مثیل موسیٰ پر ایمان لاؤ بھیجدیا ہے۔

اب جبکہ قرآن کریم سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مثیل موسیٰ تھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر واجب تھا کہ وہ تمام بنی اسرائیل کو اپنے مثیل کی آمد سے آگاہ کردیتے۔ اور نیز یہ بھی جتلا دیتے کہ وہ کس قوم سے ہوگا۔ تاکہ بنی اسرائیل جیسی اکھڑ قوم اس عظیم الشان رسول کی اطاعت سے سرتابی کرکے مورد غضب الٰہی نہ ہو۔ اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یقیم لک الرب الھک نبیا من اخوتک مثلی لہ تسمعون۔ (تیرا خدا تیرے لئے تیرے بھائیوں میں سے میرے جیسا ایک نبی برپا کرے گا۔ تم اس کی طرف کان دھریو) (استثناء ب ۱۵) فرماکر اپنا فرض تمام بنی اسرائیل کے سامنے ادا کردیا۔ کہ وہ تمہارے بھائیوں بنی اسمٰعیل سے جو بوجہ ام القریٰ یعنی مکہ میں رہنے یا بباعث ان پڑھ ہونے کے امی کہلاتے ہوں گے پیدا ہوگا۔

قرآن کریم نے بھی وشھد شاھد من بنی اسرائیل علی مثلہ (پ ۲۶ ع ۱) کہکر یہ شہادت ادا کردی کہ فی الواقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے مثیل کے مبعوث بالرسالۃ ہونیکی شہادت دیکر اپنا فرض ادا کردیا ہے۔ کیونکہ یہ پیش خبری خدا کے حکم سے کی تھی۔ اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر قوم سے اس کا بیان کردینا فرض تھا۔

یہ پیشگوئی چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تمام بنی اسرائیل کے سامنے منجانب اللہ بیان فرمائی تھی۔ فی الفور درج کتاب ہوگئی۔ اور تمام قوم میں شہرت پاگئی۔ اور بباعث منجانب اللہ ہونیکے اس پیشگوئی کی وقعت اور توقیر اس درجہ کی تھی کہ بنی اسرائیل بپاس ادب اس مثیل موسیٰ کا نام زبان پر نہیں لاتے تھے۔ بلکہ بجائے نام لینے کے جس طرح آجکل ہم لوگ آنحضرت کہکر حضور علیہ السلام کے اسم مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہیں وہ بھی اس مثیل موسیٰ کے مبارک نام کو الرسول اور النبی یا اس سے زیادہ تصریح کے لئے النبی الامی سے تعبیر کرتے تھے۔ چنانچہ بنی اسرائیل جب حضرت یوحنا سے ان کے عہدہ کی نسبت پوچھنے کو گئے تو انہوں نے (ا انت المسیح۔ ا ایلیا انت۔ ا النبی انت؟ یعنی کیا تو مسیح ہے؟ کیا تو ایلیا ہے۔ کیا تو وہ نبی ہے؟) کہہ کر استفسار کیا۔ اور آپ کا نام نہ لیا۔ دیکھو انجیل یوحنا ب ۱ ۲۱۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ پیشگوئی تمام بنی اسرائیل میں مشتہر تھی۔ اور یہ بات بھی اس حوالے سے ظاہر ہوتی ہے۔ کہ اس موعود مثیل موسیٰ کا نام بنی اسرائیل کے لوگوں کو اکثر معلوم تھا مگر وہ بپاس ادب نام مبارک زبان پر نہیں لاتے تھے۔ ان کے نزدیک الرسول یا النبی کہدینا ہی کافی تھا جس سے وہ سمجھ جاتے تھے کہ یہ خاص رسول وہی رسول ہے کہ جس کی نسبت حضرت موسیٰ نے پیشگوئی کی ہے۔

چنانچہ قرآن کریم کی اس آیت الذین یتبعون الرسول النبی الامی میں الرسول۔ اور النبی اور الامی۔ اس غرض کے اظہار کے واسطے ایک جگہ بیان ہوئے ہیں کہ بنی اسرائیل آنحضرت روحنا فداہ کا ذکر یا تو الرسول کہکر یا النبی کہکر یا زیادہ وضاحت کے لئے النبی الامی کہہ کر کیا کرتے تھے غالباً اب اس بیان تو اس پیشگوئی کی وقعت اور شہرت جو بنی اسرائیل میں تھی۔ اظہر من الشمس وابین من الامس اولوا الابصار کی نگاہ میں جلوہ

جلوہ نما ہو گئی ہوگی۔

لیکن جب انجیل کو دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس پیشگوئی کے منہ کو شہرت کے اور بھی چار چاند لگے ہوئے ہیں۔ کیونکہ اول تو اس پیشگوئی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مثیل کی آمد کا ذکر تھا۔ اور حضرت موسیٰ کو وہ بنی اسرائیل کا صاحب الشرع نبی جانتے تھے۔ اور حضرت موسیٰ کے منہ سے نکلی ہوئی بات جانتے تھے۔

دوئم پیشگوئی تمام انبیاء بنی اسرائیل کی مصدقہ مانتے تھے۔ جیسا کہ یوحنا معمدان جیسے بزرگ نبی جنکے ہاتھ سے خود حضرت عیسیٰ نے توبہ کا غسل لیا تھا۔ اور ان کی نسبت فرمایا تھا کہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو عورتوں سے پیدا ہوئے ہیں۔ ان میں یوحنا اصطباغ دینے والے سے کوئی بڑا نہیں ہوا (متی ۱۱ ب) ظاہر ہے جکا ذکر صدر میں ہو چکا ہے۔

(سوئم) یہ پیش گوئی اس لحاظ سے بھی عیسائیوں میں نہایت احترام کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ بلافصل پطرس حواری نے نہایت شرح اور بسط کے ساتھ اس پیشگوئی کا ذکر ہیکل کے درمیان اپنے وعظ میں کیا تھا۔ جیسا کہ کتاب اعمال الرسل کے باب ۳ میں مذکور ہے:۔

فتوبوا وارجعوا لتمحی خطایاکم لکی تاتی اوقات الفرج من وجہ الرب ویرسل المسیح المبشر بہ لکم قبل الذی ینبغی ان السماء تقبلہٗ الیٰ ازمنۃ رد کل شیئ التی تکلم عنھا اللہ بفم جمیع الانبیاء القدیسین منذ الدھر۔ فان موسیٰ قال للاٰباء ان نبیا مثلی سیقیم الرب الھکم من اخوتکم لہ تسمعون فی کل ما یکلمکم بہ ویکون ان کل نفس لاتسمع لذالنبی تباد من الشعب جمیع الانبیاء ایضاً من صموئیل فما بعدہ جمیع الذین تکلموا سبقوا وانباؤا بھذہ الایام۔
پس توبہ کرو اور رجوع لاؤ تاکہ تمہارے گناہ مٹ جائیں۔ اور اس طرح

خداوند کے حضور سے تازگی بخش ایام آئیں اور وہ اس مسیح کو جو تمہارے واسطے مقرر ہوا ہے بھیجے۔ ضرور ہے کہ وہ آسمان میں اس وقت تک رہے جب تک کہ وہ سب چیزیں بحال نہ کی جائیں۔ جن کا ذکر خدا نے اپنے پاک نبیوں کی زبانی کیا ہے۔ جو دنیا کے شروع سے ہوتے آئے ہیں۔ چنانچہ موسیٰ نے ہمارے باپ دادوں سے کہا کہ خداوند خدا تمہارے بھائیوں میں سے مجھ سا ایک نبی پیدا کرے گا۔ جو کچھ وہ تم سے کہے اس کی سننا اور یہ ہوگا جو شخص اس نبی کی نہ سنیں گا۔ وہ امت میں سے نیست و نابود کر دیا جائیگا بلکہ صموئیل سے لیکر پچھلوں تک جتنے نبیوں نے باتیں کہیں۔ ان سب نے ان دنوں کی خبر دی ہے۔

(چہارم) اس پیشگوئی کو ستفنس حواری نے بھی اپنی تقریر میں بیان کیا ہے۔ کتاب اعمال باب ۷ میں ہے۔ ھٰذا ھو موسی الذی قال لبنی اسرائیل نبیا مثلی سیقیم لکم الرب الھکم من اخوتکم لہ تسمعون۔ وہی موسیٰ ہے جس نے بنی اسرائیل سے کہا خدا تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لئے مجھ سا ایک نبی برپا کریگا۔ تم اس کی طرف کان دھریو۔ ب ۳۷۔

جیسا کہ ہمارے مسلمان غیر احمدی ان پیشگوئیوں میں جو حضرت مسیح موعود کی نسبت قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں ہیں مین میکھ نکالتے ہیں۔ اسی طرح سے نصاریٰ بھی اس پیشگوئی میں کھد پچیاں نکالتے ہیں۔ کہ کتاب استثناء میں اس پیشگوئی میں یہ الفاظ پائے جاتے ہیں۔ یقیم لک الربّ الٰھک نبیاً من وسطک من اخوتک مثلی لہٗ تسمعون۔ جس کا اردو ترجمہ یہ ہے خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کریگا۔ تم اس کی طرف کان دھریو۔

جبکہ اس پیشگوئی میں من وسطک (یعنے تیرے ہی درمیان سے) کا فقرہ موجود ہے۔ تو وہ مثیل موسیٰ بنی اسرائیل ہی میں سے ہونا چاہیئے۔ نہ باہر سے

جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسمٰعیل میں سے ہیں۔ اس لئے یہ پیشگوئی حضرت عیسےٰ علیہ السلام پر صادق آتی ہے۔ جو بنی اسرائیل میں سے ہیں۔

لیکن جب غور کیا جاتا ہے تو فقرہ (من وسطک جسکا ترجمہ تیرے ہی درمیان سے ہے) الحاقی ثابت ہوتا ہے۔

دیکھو پطرس حواری اپنے وعظ میں حضرت موسےٰ کی اس پیشگوئی کو نقل کرتا ہے جس میں من وسطک کا فقرہ جسکا ترجمہ تیرے ہی درمیان سے ہے موجود نہیں۔ چنانچہ وہ کہتا ہے۔ فان موسیٰ قال للاباء ان نبیاً مثلی سیقیم لکم الرب الھکم من اخوانکم له تسمعون۔ یعنی چنانچہ موسیٰ نے باپ دادوں سے کہا کہ خداوند خدا تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لئے مجھ سا ایک نبی برپا کریگا۔ جو کچھ وہ تمسے کہے اس کی سننا۔ دیکھو کتاب اعمال باب ۳ - ۲۰۔

پھر ستفن حواری نے بھی حضرت موسیٰ کی اس پیشگوئی کو اپنی تقریر میں دوہرایا ہے۔ لیکن اس نے بھی اس فقرہ کو اپنی تقریر میں بیان نہیں کیا۔ چنانچہ کتاب اعمال میں لوقا اس تقریر کو اس طرح پر درج کرتا ہے ھٰذا ھو موسیٰ الذی قال لبنی اسرائیل نبیاً مثلی سیقیم لکم الرب الھکم من اخوتکم له تسمعون یعنی یہ وہی موسیٰ ہے۔ جس نے بنی اسرائیل سے کہا خداوند خدا تمہارے لئے تمہارے بھائیوں میں سے مجھ سا ایک نبی پیدا کرے گا تم اس کی طرف کان دھریو۔ ب ۷ - ۳۷۔

اب ان دونوں عبارتوں میں من وسطک کا فقرہ درج نہیں۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ فقرہ کتاب استثناء میں بعد سے ملایا گیا ہے حضرت عیسیٰ کے حواریوں کے زمانہ میں موجود نہیں تھا۔ ورنہ پطرس ستفن۔ لوقا ضرور اس کو درج کرتے۔

اب رہا یہ استدلال کہ حضرت عیسیٰ پر یہ پیشگوئی صادق آتی ہے یا نہیں؟ اس کے لئے دیکھو پطرس حواری کا وعظ جو اس نے ہیکل میں واقعہ صلیب کے بعد بنی اسرائیل اور حواریین کے مواجہ میں بیان کیا ہے۔ ویرسل المسیح المبشر به لکم قبل الذی ینبغی ان السماء تقبله الی ازمنة رد کل شیءٍ التی تکلم عنها الله بفم جمیع انبیائه القدیسین منذ الدھر فان موسیٰ قال للاباء ان نبیاً مثلی سیقیم الرب الھکم من اخوتکم له تسمعون فی کل ما یکلمکم به ویکون ان کل نفس لا تسمع لذلک النبی تباد من الشعب وجمیع الانبیاء والعھد الذی عاھد به الله اباءنا قائلاً لابرھیم وبنسلک تتبارک جمیع قبائل الارض۔ الیکم اولاً اذ اقام الله فتاه یسوع ارسله یبارککم برد کل واحد منکم عن شروره۔ اور وہ اس مسیح کو جو تمہارے واسطے مقرر ہوا ہے بھیجے۔ ضرور ہے کہ وہ آسمان میں اس وقت تک رہے۔ جب تک کہ وہ چیزیں بحال نہ کی جائیں۔ جن کا ذکر خدا نے اپنے پاک نبیوں کی زبانی کیا ہے جو دنیا کے شروع سے ہوتے آئے ہیں۔ چنانچہ موسیٰ نے باپ دادوں سے کہا کہ خداوند خدا تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لئے مجھ سا ایک نبی پیدا کریگا۔ جو کچھ وہ تم سے کہے اس کی سننا۔ اور یہ ہوگا کہ جو شخص اس نبی کی نہ سنیں گا وہ ۱ امت میں سے نیست اور نابود کر دیا جائے گا۔ بلکہ صموئیل سے لے کر پچھلوں تک جتنے نبیوں نے نبوت کی ہے ان سبھنے ان دنوں کی خبر دی ہے۔ تم نبیوں کی اولاد اور اس عہد کے شریک ہو۔ جو خدا نے تمہارے باپ دادوں سے باندھا۔ جب ابراہیم سے کہا کہ تیری اولاد سے دنیا کے سارے گھرانے برکت پائیں گے۔ خدا نے اپنے خادم یسوع

کو اٹھا کر پہلے تمہارے پاس بھیجا تاکہ تم میں سے ہر ایک کو اس بدیوں سے پھیر کر برکت دے۔ ب۳۔ ۲۰۔

پس اگر عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق حضرت عیسیٰ کی دو آمدیں ہی فرض کرلی جائیں۔ تو پھر پطرس کے قول کے مطابق یہ پیشگوئی حضرت عیسیٰ کی نہ آمد اول پر چسپاں ہوتی ہے نہ آمد ثانی پر۔

آمد اول پر تو بدیں وجہ چسپاں نہیں ہوتی۔ کہ وہ اپنے وعظ میں صاف اس کا اقرار کرتا ہے کہ خدا نے اپنے خادم یسوع کو حضرت موسیٰ جیسے نبی کے برپا کرنے سے پہلے بھیجا ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے۔ خدا نے اپنے خادم یسوع کو اٹھا کر پہلے تمہارے پاس بھیجا۔

اور آمد ثانی پر بدیں وجہ چسپاں نہیں ہوتی کہ اس قول سے ثابت ہوتا ہے کہ ضرور ہے کہ مسیح آسمان میں اس وقت تک رہے جب تک کہ وہ سب باتیں پوری نہ ہو جائیں۔ جن کا ذکر خدا نے اپنے پاک نبیوں کی زبانی کیا ہے منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے کہ موسیٰ نے کہا ہے خدا مجھ سا ایک نبی برپا کریگا اور صموئیل سے لیکر پچھلوں تک جتنے نبیوں نے نبوت کی ہے ان سب نے ان دنوں کی خبر دی ہے۔ اگر یہ پیش گوئی حضرت مسیح کے حق میں ہوتی

تو جب حضرت یوحنا سے یہودی پوچھنے لگے تھے۔ اانت ایلیا۔ اانت المسیح النبی انت۔ تو یوحنا علیہ السلام یہ کہدیتے کہ النبی اور المسیح تو ایک ہی ہے۔ تم النبی کہکر علیحدہ کیوں پوچھتے ہو۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل اور حضرت یوحنا النبی کو حضرت مسیح سے علیحدہ اعتقاد کرتے تھے۔ پس عیسائیوں کا یہ اعتقاد کہ مثیل موسیٰ حضرت مسیح ہی ہیں بالکل خلاف نفس الامر ہے اور حضرت یوحنا اور پطرس اور بنی اسرائیل کے معتقدات کے برخلاف ہے اور کتاب استثناء میں من وسطک کا فقرہ الحاقی ہے۔ جس کو نہ پطرس نے نقل کیا ہے نہ ستفنس نے۔ اس لئے یہ پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر کسی پر صادق نہیں آسکتی۔ اور یہ وہ عظیم الشان پیشگوئی ہے۔ جو حضرت موسیٰ نے حضرت ہارون اور حضرت یوشع اور تمام بنی اسرائیل کے سامنے بیان فرمائی ہے اور صموئیل سے لیکر حضرت یحیی اور پطرس حواری تک تمام انبیاء اس کی تصدیق کرتے چلے آئے ہیں۔

چنانچہ جب اس پیشگوئی کے پورا ہونے کا وقت نزدیک آگیا تو جوق در جوق یہودی اور نصرانی اپنے وطن مالوفہ شام اور روم کو چھوڑ کر عرب میں آگئے اور رامیون یعنی باشندگان ام القری وساکنان یثرب یعنی طیبہ اور جبل فاران کے پڑوس میں بسنے لگ گئے۔ کیونکہ یہی مقامات اس مثیل موسیٰ کی بعثت اور ہجرت کے توریت اور صحائف انبیاء اور انجیل میں بیان کئے گئے تھے۔

اور بدیں خیال کہ وہ مثیل موسیٰ بنی اسمٰعیل سے پیدا ہونیوالا ہے باوجود تنافر قومی ومذہبی اور باوجود بنی اسمٰعیل کی بت پرستی کے انسے رشتہ داری جس کی کہ ان کو مذہباً سخت ممانعت تھی۔ پسند کرنے لگ گئے کہ شاید ہماری بیٹیوں کے بطن سے اور بنی اسمٰعیل کے نطفہ سے یا ہمارے ان بیٹوں کے نطفہ سے جن کے گھر میں بنی اسمٰعیل کی لڑکیاں ہیں۔ وہ مثیل موسیٰ پیدا ہو جائے۔ اور ہم کو بھی شرف حاصل ہو جاوے۔ یہود نے محض باہمی قرابت پر اکتفا کی۔ مگر عیسائی ان سے قدم بڑھا کر بعض بنی اسمٰعیل کے قبایل کو دین عیسوی میں لانے لگ گئے۔

اور یہ خیال کر کے کہ شاید وہ برکت موعود ہماری اولاد کو نصیب ہو جس کا وعدہ حضرت موسیٰ نے کیا ہے۔ اور اس کی تصدیق حضرت یوحنا نے

اور پطرس حواری نے کی ہے۔

اور حضرت عیسیٰ کے لوقا جیسے بزرگ حواری نے اس کا ذکر کیا ہے۔ لگے اپنی اولاد کا نام محمدؐ رکھنے۔ شیخ محمد طاہر مجمع بحار الانوار میں لکھتے ہیں۔ لمّا قرب زمنه وبشر به اهل الکتاب سموا اولادهم به۔

صاحب تاج العروس نے تو ان لوگوں کے قبایل کا پتہ بھی دیا ہے کہ جن کا نام اس غرض سے محمدؐ رکھا تھا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے۔ قال ابن بری ومن سمی بمحمد فی الجاهلیة سبعة محمدؐ ابن سفیان بن مجاشع التمیمی ومحمدؐ بن عتوارة اللیثی الکنانی ومحمدؐ بن احیحة بن الجلاح الاوسی ومحمدؐ ابن حمران بن مالك الجعفی المعروف بالشویعر ومحمدؐ بن خزاعی بن علقمة۔ ومحمد بن مسلمة الانصاری ومحمدؐ بن حرماز بن مالك التمیمی۔

غالبًا اب ناظرین کے ذہن نشین ہو گیا ہوگا۔ کہ الذین یتبعون الرسول النبی الامّی الذی یجدونه مکتوبًا عندهم فی التوریة والانجیل میں اسم محمدؐ کی طرف اشارہ ہے اور اسم محمدؐ یہود و نصاریٰ کے نزدیک نہایت معروف تھا۔ اس لئے قرآن کریم میں الذین اٰتینٰهم الکتاب یعرفونه کما یعرفون ابناء هم وارد ہے کیونکہ وہ اپنے بیٹوں کے نام محمد ہی رکھا کرتے تھے۔ اور اپنے بیٹوں کے نام محمد اس خیال سے بھی رکھتے تھے کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کے مثیل کا سمی اور ہم نام ہے۔ شاید اسی نام کی برکت ان ہمارے بچوں میں آجاوے اور ہم کو کفار یعنی بت پرستوں پر جنکا عرب میں غلبہ ہے فتح نصیب ہو جاوے۔ مگر ان کی بدقسمتی کہ جب وہ معروف شخص ماں باپ دونوں کی طرف سے امیون میں سے۔ یعنی خاص باشندگان مکہ میں سے جو بنی اسمٰعیل تھے۔ پیدا ہو گیا۔ تو مایوس ہو کر کہ اب وہ ہماری نسل میں سے نہیں ہو سکتا۔ جس کے لئے ہم نے اہل عرب سے رشتہ ناطہ بھی جوڑا تھا۔ بوجہ منافرت قومی اس کے منکر بن بیٹھے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا فلما جاءهم ما عرفوا کفروا به۔ اور پہلے اس کے بوسیلہ اس رسول کے فتح طلب تھے کفار پر پس جب

پس الذین یتبعون الرسول النبی الامی میں الرسول اور النبی جو دو نو معرف باللام ہیں اپنے علم اسم محمدؐ پر دال ہیں۔ جسکی پیش گوئی توراۃ میں حضرت موسیٰ نے اور انجیل میں حضرت یحییٰ نے کی ہے اور حضرت عیسیٰ کے حواری پطرس نے اور لوقا نے اس کی تصدیق کی ہے۔ اور یہی علم یہود میں معرف باللام الرسول اور النبی سے تعبیر ہوتا تھا اور اسی علم کو یہود حضرت موسیٰ کی پیشگوئی اور نصاریٰ حضرت موسیٰ اور یحییٰ اور حضرت عیسیٰ کے حواری لوقا کی پیش خبری یقین کر کے اپنی اولاد کا نام محمد رکھتے تھے۔ پس یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علم یعنی اسم مکتوبا عندهم فی التوراة والانجیل تھا جو تحریف کرنے والوں نے بعد میں ان کتابوں سے نکال دیا۔

اسم احمد کی پیشگوئی صرف انجیل میں ہے۔ جسطرح حضرت موسیٰ پر اپنے مثیل کے لئے پیش گوئی کرنا واجب تھی۔ ویسی ہی حضرت مسیح پر بھی اپنے مثیل کی نسبت پیش گوئی واجب تھی۔ سو حضرت عیسیٰ نے مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمه احمد۔ کہہ کر اپنا فرض ادا کر دیا۔ سو یہ پیشگوئی متعلق مسیح موعود ہے۔

قرآن کریم کی یہ آیت بتاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا عہدہ باسم فاعل المبشر تھا۔ اور احمد یعنی مسیح موعود کا عہدہ باسم مفعول المبشَّر ہے۔

پطرس حواری واقعہ صلیب کے بعد ہیکل میں وعظ کرتا ہوا کہتا ہے۔ خدا نے اپنے خادم یسوع کو جلال دیا جسے تم نے پکڑوا دیا۔ جب پیلاطوس نے اس کو چھوڑ دینے کا قصد کیا تو تم نے اس کے سامنے انکار کیا۔ میں جانتا ہوں کہ تم نے یہ کام نادانی سے کیا۔ پس توبہ کرو تاکہ تمہارے گناہ مٹا دیئے جائیں اور اس طرح خداوند کے حضور سے تازگی کے دن آئیں۔ اور وہ اس مسیح

کو جو تمہارے واسطے مقرر ہوا ہے بھیجے۔ ضرور ہے کہ وہ آسمان میں اس وقت تک رہے جب تک کہ وہ سب چیزیں بحال نہ کی جائیں۔ جن کا ذکر خدا نے اپنے پاک نبیوں کی زبانی کیا ہے۔

اب دیکھو اس تقریر میں ایک جملہ ہے جو مسیح موعود کی آمد کے متعلق ہے اور وہ یہ ہے **(اور وہ مسیح کو جو تمہارے واسطے مقرر ہوا ہے بھیجے)** انجیل عربی مطبوعہ لنڈن ۱۸۵۷ء میں اس کا ترجمہ یوں ہے۔ و یرسل المنادی بہ لکم اور اسی کے مطابق پرانے اردو ترجمہ میں ہے:۔ **(اور اس مسیح کو تم لوگوں کے درمیان بھیجے** جس کی منادی تم لوگوں کے درمیان ہوئی) لیکن نیو یارک کے ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۱۶ء اور لنڈن آکسفورڈ کے ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۷۶ء اور مطبوعہ ۱۸۹۰ء میں بجائے المنادی بہ لکم کے المسیح المبشر بہ لکم لکھا ہے۔ جبکہ اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۹۱۶ء اور ۱۹۰۶ء میں لفظ مقرر کے ساتھ کیا گیا ہے۔ خواہ لفظ المنادی بہ کہو۔ خواہ المبشر بہ ہمارا مدعا ثابت ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبشراً برسولٍ تھے اور وہ رسول المسیح المبشر بہ مسیح موعود ہے۔ جس کی نسبت اردو تراجم والوں نے لکھا ہے **(اور اس مسیح کو جو تمہارے واسطے مقرر ہوا ہے بھیجے)** لفظ مقرر المعہود اور الموعود کا ترجمہ ہے۔

باعتبار اس کے کہ تمام انبیاء نے آپ کی نسبت منادی کی ہے آپ المسیح المنادی بہ ہیں۔ اور باعتبار اس کے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپکی نسبت بشارت دینے سے مبشر کا عہدہ پایا ہے پس آپ المسیح المبشر بہ ہیں!۔

اور باعتبار اس کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپکی آمد کی نسبت وعدہ دیا ہے۔ آپ المسیح الموعود ہیں۔

اور باعتبار اس کے خدا تعالےٰ نے ان کے مبعوث فرمانیکا عہد کیا ہے

آپ المسیح المعہود مصداق مبشراً برسول یاتی من بعدی

بعض لوگ یہ اعتراض پیش کرتے ہیں کہ مبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد کے ساتھ فلما جاءھم بالبینات کی آیت وارد ہوئی ہے۔ اور جاء فعل ماضی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت احمدؐ جن کے حق میں پیشگوئی ہے۔ نزول آیت سے پہلے مبعوث بالرسالہ ہو چکے تھے۔ اس لئے یہ پیش گوئی جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہو سکتی ہے۔ حضرت مسیح موعود کے حق میں نہیں ہو سکتی۔

لیکن لفظ ماضی بمعنے مستقبل قرآن کریم کی متعدد آیتوں میں آیا ہے چنانچہ علامہ رضی شرح کافیہ میں لکھتا ہے وینصرف الی المستقبل ایضاً عن الامور المستقبلۃ مع قصد القطع بوقوعھا کقولہ تعالیٰ ونادی اصحاب الجنۃ وسیق الذین اتقوا ربھم الی الجنۃ۔ یعنی کبھی صیغہ ماضی مستقبل کی طرف ان امور مستقبلہ کی خبر دینے کا قصد کر کے جو قطعاً واقع ہوں گے لوٹ جاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن شریف میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے نادی اصحاب الجنۃ جنت والوں نے پکارا یعنی پکاریں گے اور دوسری آیت میں فرماتا ہے۔ وسیق الذین اتقوا ربھم الی الجنۃ زمراً۔ اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرے ان کو جنت کی طرف گروہ گروہ کر کے چلایا گیا۔ یعنی چلائے جائیں گے۔

ان دونوں آیتوں میں صیغہ ماضی مستقبل کے معنے دیتا ہے۔ پس اسی طرح سے چونکہ جناب مسیح موعود کی آمد جو ارادہ الٰہی میں قطعی تھی۔ خدا تعالیٰ نے اس فعل کے قطعی وقوع کا ارادہ فرما کر صیغہ ماضی بمعنی مستقبل سے بیان فرمایا ہے۔ اور یہ پیش گوئی حضرت مسیح موعود کے حق میں ہے۔ جن کا نام احمدؐ ہے آنحضرت کے ان کے القاب سے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے علم سے ان کی نسبت پیش گوئی فرمائی ہے۔ کیا ہی دونوں پیش گوئیاں لطیف ہیں۔ کہ احمد تو آنحضرت کا وصفی اسم ہے۔ حضرت عیسیٰ نے مسیح موعود کے حق میں آنحضرت کے وصفی اسم

احمد سے پیش گوئی کی ہے۔ جو مسیح موعود کا اسم علم ہے۔

اور مسیح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وصفی اسم ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احمد کے حق میں حضرت عیسیٰ کے وصفی اسم سے پیش گوئی فرمائی ہے۔ جو مسیح موعود کا وصفی اسم ہے۔

ان دونوں پیش گوئیوں کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ وہ انسان کامل جس کا علم احمدؐ اور اسم وصفی مسیح موعود ہے جیسے حضرت عیسیٰ کا بروز کامل ہے ویسے ہی آنحضرت کا مظہر اتم ہے۔ حضرت مسیح نے اس کو آنحضرت کا مظہر اور آنحضرت نے اس کو حضرت مسیح کا بروز بیان فرمایا ہے۔

پس جو فرد کامل حضرت عیسیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بروز کامل اور مظہر اتم ہو

اس موعود کو کیوں نہ نبی اللہ کہا جائے!!!

تعجب ہے کہ ایلیاہ کے بروز حضرت یحیی تو نبی اللہ ہوں مگر حضرت عیسےٰ کے بروز اور آنحضرت کے مظہر کو لقب نبی اللہ سے نہ یاد کیا جاوے۔ تلك اذاً قسمة ضیزیٰ

اور جن احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انا محمد وانا احمد بیان فرمایا ہے وہاں حضور علیہ السلام کی اپنے اعلام کی تعداد کا اظہار ہرگز مقصود نہیں تھا کیونکہ کسی شخص کے متعدد نام ہونے سے اس کی ذات میں کوئی امتیازی فخر پیدا نہیں ہو جاتا۔ آنجناب کی غرض ان احادیث میں اپنے متعدد صفات کے بیان فرمانے کی تھی محمدؐ آپکا علم بھی تھا۔ اور اسم صفت بھی تھا۔ احمد حامد محمود۔ حمّاد۔ یہ سب اسماء صفتی تھے۔ ان میں سے کوئی بھی علم نہیں تھا۔ اور باعتبار صفات آپ احمد الحامدین تھے۔

وصلی اللہ علیہ وسلم

اور سیدنا مسیح موعود باعتبار علم اور صفت احمد تھے علیہ الصلوۃ والسلام

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ہر نبی کتاب لایا ہے۔ جیسا کہ آیت کریمہ انزل معھم الکتب سے ظاہر ہے اور ہر کتاب آسمانی کتاب شریعت ہوتی ہے۔

چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام صاحب کتاب نہیں۔ اس لئے آپ نبی نہیں لیکن قرآن کریم کی آیات پر تدبر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام تین صنف کے گذرے ہیں۔

(الف) بعض محض البینات یعنی معجزات الباہرات کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں۔ جیسا کہ آیات ذیل سے ظاہر ہے۔

(۱) ولقد جاءتھم رسلھم بالبینات فما کانوا لیؤمنوا بما کذبوا من قبل (سورۂ اعراف) اور تحقیق ان کے پاس پہونچے ان کے رسول نشانیاں لیکر پھر ہرگز نہ ہوئے کہ ایمان لائیں اس بات پر کہ جو پہلے جھٹلا چکے۔

(۲) ذلك بانه کانت تاتیھم رسلھم بالبینات فقالوا ابشر یھدوننا (سورۂ تغابن) یہ اس پر کہ لاتے تھے ان کے پاس ان کے رسول نشانیاں۔ پھر کہتے کیا آدمی ہم کو راہ سمجھا دیں گے۔

(۳) وجاءتھم رسلھم بالبینات وما کانوا لیؤمنوا (سورۂ یونس) اور آئے ان کے پاس ان کے رسول کھلی نشانیاں لیکر اور ہرگز نہ تھے وہ ایمان لانے والے۔

(۴) ولقد ارسلنا من قبلك رسلاً الی قومھم فجاءوھم بالبینات فانتقمنا من الذین اجرموا۔ (سورۂ روم) اور تحقیق ہم بھیج چکے ہیں تجھ سے پہلے کتنے رسول اپنی اپنی قوم کے پاس پھر آئے ان کے پاس پہنچے لیکر پھر بدلا لیا ہمنے ان سے جو گنہگار تھے۔

(۵) ثم بعثنا من بعدہ رسلاً الی قومھم فجاءوھم بالبینات (سورۂ یونس) پھر بھیجے ہم نے اس کے پیچھے کتنے رسول اپنی اپنی قوم کی طرف پھر لائے ان کے پاس کھلی نشانیاں۔

(ف) دیکھو ان آیات میں انبیاء کے ساتھ محض (بینات) کا ذکر ہے۔

(ب) بعض انبیاء علیہم السلام البینات کے ساتھ الزّبر یعنی نوشتہ متضمن زواجر و مواعظ و حکم بھی اپنے ساتھ لائے ہیں۔ جیسا کہ آیت ذیل سے ظاہر ہے۔

فسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون بالبینات والزبر (سورہ نحل)۔

پس پوچھو یاد رکھنے والوں سے اگر تم بینات اور زبر نہیں جانتے۔

(ج) بعض اولوالعزم البینات اور الزبر کے ساتھ الکتٰب المنیر یعنی مجموعہ احکام شریعت بھی لائے ہیں۔ جیسا کہ اس آیت کریمہ سے ہویدا ہے فان کذبوك فقد كذب رسل من قبلك جاؤا بالبینات والزبر والکتٰب المنیر۔ (سورۂ آل عمران) پس اگر جھٹلاویں تجھ کو پس جھٹلائے گئے پیغمبر تجھ سے پہلے آئے تھے ساتھ دلیلوں اور چھوٹی کتابوں اور کتاب روشن کے۔

بعض لوگ یہ حجت پیش کرتے ہیں کہ الزبر اور الکتب مترادف ہیں۔ الزبر زبور کی جمع ہے جس کے معنے کتاب اور مکتوب کے ہیں۔ چنانچہ زوزنی لکھتا ہے الزّبر جمع زبور وهو الکتاب۔ اور زبور بروزن فعول بمعنے مفعول ہے۔ جیسے رکوب اور حلوب بمعنے مرکوب اور محلوب۔ اور کتاب کا لفظ بعض کے نزدیک مصدر ہے کہ بوجہ مبالغہ مکتوب کو کتاب کہا جاتا ہے۔ جیسے محسوب حساب مخلوق کو خلق۔ مصور بالفتح کو تصویر، عرب کا محاورہ ہے الدرهم ضرب ای مضروب۔

اور بعض کہتے ہیں فعال کا وزن ہی مفعول کے واسطے وضع ہوا ہے۔ جیسے لباس بمعنی ملبوس۔

پس چونکہ کتاب کے معنے بھی مکتوب کے ہیں۔ اور زبور کے معنے بھی مکتوب ہی کے ہیں اس لئے یہ دونوں لفظ مترادف یک دیگر ہیں۔ اور اس آیت میں عطف من قبیل عطف مترادفین لاختلاف اللفظ ہے۔ اور یہ کلام عرب میں جائز ہے۔

عنترہ کہتا ہے ع اقوى واقفر بعد ام الهيثم - یعنی ام ہیثم کے بعد یہ گھر ویران اور اجاڑ ہو گیا ہے۔

لیکن سورہ فاطر کی آیت وان یکذبوك فقد كذب الذين من قبلهم جاءتهم رسلهم بالبینات وبالزبر وبالکتٰب المنیر۔ یعنی اگر جھٹلائیں تجھ کو پس تحقیق جھٹلایا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے۔ آئے تھے ان کے پاس پیغمبر ان کے ساتھ دلیلوں کے اور ساتھ چھوٹی کتابوں کے اور ساتھ کتاب روشن کے، ظاہر کرتی ہے کہ جس طرح البینات - الزبر سے جدا چیز ہے۔ اسی طرح الزبر الکتب سے جدا چیز ہے۔ یہ آیت من وجہ آیت مذکورہ سورہ آل عمران کی تفسیر کرتی ہے۔ کہ جیسے البینات اور الزبر باہم مغائر بالذات ہیں۔ کیونکہ قرآن کریم کے سوا کتب سابقہ البینات میں داخل نہیں۔ چنانچہ قنوی لکھتا ہے۔ البینات المعجزات غير الکتب اذ الکتب المتقدمة ليست بمعجزة یعنی بینات سے مراد معجزات ہیں۔ جو کتابوں کے سوا ہیں۔ کیونکہ پہلی کتابیں معجزہ نہیں تھیں۔ ویسے ہی الزبر اور الکتٰب المنیر بھی ایک دوسرے سے بالذات مغائر ہیں۔

اور مغایرۃ کی دلیل ہے کہ اس آیت میں پہلے حرف جار البینات پر ہے اور پھر الزبر پر اور اس کے بعد الکتٰب المنیر پر اور نحو میں مقرر ہے کہ جار کا اعادہ بالذات مقتضی مغایرۃ ہے۔ قنوی میں ہے۔ اعادۃ الجار تقتضی المغایرۃ بالذات۔ اور مغایرۃ یہ ہے کہ الکتب فی عرف القرآن ما يتضمن الشرائع والاحکام۔ ہوتی ہے۔

اور الزبر کے معنی مواعظ و زواجر ہیں۔ عرب میں محاورہ ہے زبرته اذا زجرته۔ یعنی میں نے اس کو کسی کام سے روک دیا۔

اسی وجہ سے بعض مفسرین نے اس آیت میں الکتٰب المنیر کے معنی تورات بیان کئے ہیں۔ کیونکہ کتب سابقہ میں توریت کے سوا کوئی کتاب کتاب شریعت نہیں

کہ الکتب
قرآن کے عرف
میں اس
آسمانی کتابیں
کہتے ہیں جو
اور احکام شریعت
پر حاوی ہوں

پس جبکہ البینات کا الزبر سے اور الزبر کا الکتٰب المنیر سے مغائر بالذات ہونا قرآن کریم سے ثابت ہے۔ تو ان تینوں کا جمع ہونا نہ ہر ایک نبی کی ذات میں ضروری ہے اور نہ غیر ضروری ہے۔ قونوی لکھتا ہے۔ لیس المراد ان کل رسول جاء بجمیع ما ذکر حتی یلزم ان لکل رسول کتاب بل المراد بعضہم جاء بھذا او بعضہم الاخر جاء بھذا الاخر ولا ینافی جمع بعضہم لبعض اخر کالکتاب مع المعجزۃ۔

اس سے یہ مراد نہیں کہ ہر ایک رسول مذکورہ بالا تمام چیزیں یعنی بالبینات اور زبر اور کتاب لایا ہے۔ یعنی یہ مراد نہیں کہ ہر رسول کے لئے کتاب ہے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ بعض البینات لائے ہیں۔ اور بعض زبر اور بعض کتاب منیر لائے ہیں۔ اور بعض کے لئے تمام امور کا جمع ہو جانا بھی منافی نہیں۔ جیسا کہ کتاب اور معجزہ کا جمع ہونا۔

قرآن کریم میں تدبر کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہر رسول کیلئے البینات یعنی معجزات کا ہونا تو ضروری ہے۔ مگر الزبر یا الکتاب المنیر کا ساتھ لانا ضروری نہیں۔

دیکھو حضرت صالح پیغمبر علیہ السلام کی نسبت قرآن کریم میں ہے۔ والیٰ ثمود اخاھم صٰلحا قال یٰقوم اعبدوا اللہ ما لکم من الٰہ غیرہ قد جاءتکم بینۃ من ربکم۔ (سورۃ اعراف) اور ثمود کی طرف ان کا بھائی صالح کہنے لگا۔ اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوائے کوئی خدا نہیں تحقیق تمہارے رب سے تمہارے پاس دلیل آچکی ہے۔

اور حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت ہے۔ قال ارایتم ان کنت علیٰ بینۃ من ربی۔ حضرت شعیب نے کہا کیا تم نے دیکھا اگر میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہوں۔

اب غور کرو کہ ان دونوں نبیوں کو البینات تو من جانب اللہ عطا ہوئیں۔ مگر ان کو زبر اور الکتٰب ملنے کی نسبت قرآن کریم خاموش ہے۔ ممکن ہے کہ وہ بھی صاحب الزبر ہوں۔ لیکن چونکہ قرآن کریم نے ان کے الزبر کی نسبت خاموشی اختیار کی ہے۔ ہم اپنی طرف سے ان کی نسبت یہ تجویز نہیں کر سکتے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حال پر غور کرو۔ ہنوز آپ کو الکتاب المنیر عطا نہیں ہوئی تھی۔ آپ فرعون کے دربار میں جا کر کیا فرماتے ہیں۔

قال موسیٰ یٰفرعون انی رسول من رب العٰلمین حقیق علیٰ ان لا اقول علی اللہ الا الحق قد جئتکم ببینۃ من ربکم۔ موسیٰ نے کہا اے فرعون میں رب العالمین کی جانب سے رسول ہوں۔ مجھکو لائق ہے کہ اللہ تعالیٰ پر سوائے سچی بات کے اور کچھ نہ کہوں۔ میں اپنے رب کی طرف سے کھلے دلایل کے ساتھ تمہارے پاس آیا ہوں۔

کیا جب تک کہ آپ کو توراۃ عطا نہیں ہوئی تھی۔ آپ رسول نہیں تھے۔ حاشا و کلا۔ توراۃ تو آنجناب کو اس واقع کے بہت بعد ملی تھی۔ فرعون غرق ہو چکا تھا۔ آپ بنی اسرائیل کو لیکر مصر سے نکل کر وادی سینا میں داخل ہو چکے تھے۔ لیکن آپ خدا کے رسول اور صاحب البینات تھے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول کے لئے صاحب البینات کا ہونا ضروری ہے، نہ مالک کتاب ہونا۔

انزل معھم الکتٰب (ان کے ساتھ کتاب اتاری گئی) اول تو مسورہ کلیہ نہیں۔ اس لئے اکثر مفسرین نے اس کی تفسیر یوں کی ہے (۱) لا یرید انہ انزل مع کل واحد کتابًا فان اکثرھم لم یکن لھم کتابًا وانما کانوا یاخذون بکتب من قبلھم (بیضاوی) اس آیت سے یہ مراد نہیں کہ خدا تعالیٰ نے ہر ایک نبی کے ساتھ کتاب نازل فرمائی ہے۔ کیونکہ اکثر انبیاء ایسے بھی تھے کہ جن کے لئے کتاب نہیں تھی۔ اور وہ اپنے سے پہلی کتاب کے ساتھ تمسک کیا کرتے تھے۔

(۲) انزل معهم الکتب اراد بہ بعضهم لانّه لم ینزل مع کل نبي کتاب (مجمع البیان) معهم الکتب سے خدا تعالےٰ نے بعض انبیاءؑ مراد لئے ہیں۔ کیونکہ ہر نبی کے ساتھ کتاب نازل نہیں ہوئی۔

(۳) امام رازی فرماتے ہیں۔ ان الله تعالیٰ بعث فی بنی اسرائیل الوفاً من الانبیاء لیس معهم الکتب (تفسیر کبیر) تحقیق الله تعالےٰ نے بنی اسرائیل میں ہزارہا انبیاء ایسے مبعوث فرمائے۔ جن کے ساتھ کتاب نہیں تھی۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی صاحب البینات رسول ہیں اور قرآن کریم کے تابع ہیں جو الکتاب المنیر ہے۔

اب رہی یہ بات کہ ہر کتاب کتاب شریعت ہوتی ہے۔ گو یہ مسئلہ ما نحن فیہ میں سے نہیں۔ لیکن ایسا کہنا بھی سراسر تحکم ہے۔ کیونکہ جہاں تک قرآن کریم کی آیات بینات میں غور کیا جاتا ہے۔ یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوتی ہے کہ دو ہی کتابیں کتاب شریعت ہیں۔ قرآن کریم اور قرآن کریم سے پہلے توراۃ شریف۔

دیکھو قرآن کریم زبور و انجیل کو چھوڑ کر توراۃ کی نسبت دو جگہ فرماتا ہے۔ ومن قبله کتاب موسیٰ اماماً ورحمةً یعنی قرآن کریم سے پہلے کتاب موسیٰ امام اور رحمت تھی۔ (سورۃ ھود۔ سورۃ احقاف)

تیسری جگہ فرماتا ہے۔ قالوا یا قوم انا سمعنا کتاباً انزل من بعد موسیٰ۔ انہوں نے کہا ہم نے ایک کتاب سنی ہے۔ جو موسیٰ کے بعد اتاری گئی ہے۔ (سورۃ احقاف)

اس آیت کریمہ میں بھی توراۃ کے بعد زبور اور انجیل کا ذکر چھوڑ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب کا ذکر فرمایا ہے۔ قرآن کریم سے پہلے کتاب موسیٰ اور کتاب موسیٰ کے بعد قرآن کریم کا خصوصیت کیساتھ ذکر کرنا۔ اور درمیانی کتب کا نام نہ لینا صاف اس بات کی دلیل ہے۔ کہ قرآن کریم سے پہلے کتاب موسیٰ اور کتاب موسیٰ کے بعد قرآن کریم ہی کتاب شریعت ہے۔ اگر زبور و انجیل بھی کتب شریعت ہوتیں تو ضرور ان کا بھی ذکر ہوتا۔

اس کے علاوہ قرآن کریم میں **فرقان** کا لفظ یا تو توریت کے لئے یا قرآن مجید کے لئے آیا ہے۔

قرآن کریم کی نسبت ہے۔ تبارک الذی نزل الفرقان علی عبده لیکون للعلمین نذیراً۔ بڑی برکت ہے اسکی جس نے اتارا فیصلہ اپنے بندے پر کہ تا کہ ہو جہان والوں کو ڈرانے والا (سورۃ فرقان)

توریت شریف کے بابت ہے۔ واذ اٰتینا موسی الکتب والفرقان لعلّکم تهتدون۔ جب دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور چکوتی تا کہ تم ہدایت پا جاؤ۔

ان دونوں آیتوں میں فرقان سے مراد الفرق بین الحلال والحرام ہے حلال و حرام میں فرق بیان کرنے والی کتابیں توریت اور قرآن کریم ہی ہیں۔ زبور اور انجیل کو خدا تعالےٰ نے اس خطاب سے یاد نہیں فرمایا۔

دیکھو قرآن کریم کے لئے **تبیاناً لکل شیءٍ** اور توریت کے لئے **تفصیلاً لکل شیءٍ** نازل ہوا ہے۔ اور دیگر کتب کو یہ فخر حاصل نہیں ہوا۔ تفصیلاً لکل شیءٍ اور تبیاناً لکل شیءٍ اس وقت ہو سکتی ہیں۔ جب ان میں مواعظ

ورد اجراور حکم ساتھ شریعت فارقہ بین الحلال والحرام بھی ہوتی۔

بعض لوگ یہ حجت پیش کرتے ہیں کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام مالک شریعت نہ ہوتے۔ تو ولاحل لکم بعض الذی حرم علیکم (اور میں حلال کرتا ہوں بعض وہ چیزیں جو تم پر حرام کی گئی ہیں) کیوں فرماتے۔ ابو عبیدہ اس آیت کریمہ کی نسبت لکھتا ہے۔ اراد بقولہ بعض الذی حرم کل الذی حرم۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بعض الذی حرم فرما کر کل الذی حرم مراد لیا ہے۔ اور اس آیت میں لفظ بعض نے کل کے معنے دیئے ہیں ابو عبیدہ اپنے اس قول کی تائید میں لبید کے اس شعر کو پیش کرتا ہے ؎

تراک امکنۃ اذا لم ارضھا ۔ او ترتبط بعض النفوس حمامھا۔

یعنی میں مکان چھوڑ دیتا ہوں۔ جبکہ وہ مجکو پسند نہیں آتے۔ مگر جبکہ تمام جانوں کو موت آجاوے تو میں مجبور ہو جاتا ہوں۔ پس آیت کے معنے یہ ہوئے۔ کہ میں ان کل چیزوں کو جو تم پر حرام کی گئی ہیں حلال کرتا ہوں۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام حرام اور حلال میں فرق کرنے والے تھے۔ تو ان کی انجیل بھی کتاب شریعت ہوئی۔ اور تم کہتے ہو کہ قرآن سے پہلے توریت کے سوا کوئی کتاب شریعت نہیں۔

اس کا جواب چند طرح پر ہے۔

(اوّل) ابو عبیدہ کے اس قول پر کہ اس آیت میں لفظ بعض کے معنے کل کے ہیں۔ زجاج کہتا ہے۔ وخطاء ابو عبیدہ من وجھین احدھا ان البعض لا یکون بمعنی الکل والثانی لا یجوز تحلیل جمیع المحرمات۔ لانہ یدخل الکذب والظلم والقتل فیہ ومعناہ او ترتبط بعض النفوس حمامھا۔ ای نفسی یعنی ابو عبیدہ اس آیت کی تفسیر میں دو وجہ سے خطا کی ہے۔ ایک تو یہ کہ بعض کے معنے کل کے۔ لغات عرب میں کہیں نہیں آئے دوئم کل محرمات کی تحلیل کسی طرح سے بھی ممکن نہیں۔ کیونکہ پھر تو کذب وظلم قتل وغیرہ بھی حلال ہو جاتا ہے۔ اور لبید کے شعر کو جو ابو عبیدہ نے پیش کیا او ترتبط بعض النفوس حمامھا میں لبید نے بعض النفوس سے اپنی جان مراد لی ہے یعنی جب میری جان کو موت آجائے تو میں وہاں سے نہیں ٹل سکتا۔ ورنہ بحالت ناپسندیدگی وہاں نہیں رہتا۔ شارح زوزنی بھی اس شعر کے یہی معنے کئے ہیں۔

(دوئم) حرم علیکم سے تو اتنا ثابت ہوتا ہے کہ جو تم پر حرام کیا گیا ہے میں اس کو حلال کرتا ہوں۔ یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ جو تورات میں حرام کیا گیا تھا میں ان اشیاء کو تم پر حلال کرتا ہوں۔ کہ جس سے یہ نتیجہ نکالا جاوے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ناسخ شریعت تورات اور مالک شریعت جدیدہ تھے کیونکہ آیت کریمہ میں کوئی اشارہ تورات کی طرف نہیں ہے۔

(سوئم) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بعض اشیاء کی حلت کے متعلق فتویٰ دیا ہے۔ اور آپ کا یہ فتویٰ دینا محض مفتیانہ حیثیت سے تھا نہ شارعانہ حیثیت سے اور وہ بھی چند کھانے پینے کی چیزیں تھیں۔ جن کی حرمت میں توریت تو ساکت تھی۔ اور شریعت ابراہیمی میں حلال تھیں۔ مگر حضرت اسرائیل یعقوب علیہ السلام نے بوجہ عروض مرض نقرس یا وجع الخاصرہ ان کے کھانے سے اپنی ذات کے لئے پرہیز اختیار کر رکھا تھا۔ لیکن بنی اسرائیل نے بدیں وجہ کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان اشیاء سے پرہیز کیا ہے۔ ان اشیاء کو حرام مطلق جانتے تھے۔ قرآن کریم میں ہے۔ کل الطعام کان حلا لبنی اسرائیل الا ما حرم اسرائیل علی نفسہ من قبل ان تنزل التورٰۃ۔ ہر کھانے کی چیز بنی اسرائیل کے لئے حلال تھی۔ مگر وہ چیز کہ اسرائیل یعقوب علیہ السلام نے تورات کے نازل ہونے سے پیشتر اپنے نفس پر حرام کر لی تھی۔ کلبی لکھتا ہے ان یعقوب علیہ السلام کان یصیبہ عرق النساء فحرم علی نفسہ لحم الجمل والشحوم ولم یکن ذلک حراما علیھم فی التورٰۃ وانما حرموا علی انفسھم اتباعا لابیھم واضافوا تحریمہ الی اللہ

تعالیٰ۔ یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کو مرض عرق النساء تھا۔ اس وجہ سے آپ نے اپنے نفس پر اونٹ کا گوشت اور چربی حرام کر لی تھی۔ بنی اسرائیل پر یہ چیزیں تورات میں حرام نہیں تھیں۔ مگر انہوں نے اپنے نفوس پر باتباع اپنے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام کے ان اشیاء کو حرام کر لیا تھا۔ اور ان چیزوں کی حرمت کو خدا کی طرف منسوب کر کے کہا تھا۔ پس یہی چند چیزیں تھیں جنکی نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مفتیانہ فتویٰ دیا تھا۔ جو تورات میں حرام نہیں تھیں اور یہ جھگڑا دوبارہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی اٹھا تھا۔

الغرض یہ مسلک فقط اس خاکسار کا ہی نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مالک شریعت جدیدہ نہیں تھے۔ بلکہ ہمارے آقا سیدنا مسیح موعود علیہ السلام کا بھی یہی مذہب تھا۔ چنانچہ آنجناب فرماتے ہیں۔ واما عیسیٰ علیہ السلام فھو من خدام الشریعۃ الاسرائیلیۃ ومن انبیاء سلسلۃ الموسویۃ وما اوتی بہ شریعۃ کاملۃ مستقلۃ ولا یوجد فی کتابہ تفصیل الحلال والحرام والموارثۃ والنکاح۔ اور لیکن حضرت عیسےٰ علیہ السلام پس وہ شریعت اسرائیلیہ کے خدام اور سلسلہ موسویہ کے انبیاء میں سے تھے۔ ان کو شریعت کاملہ اور مستقلہ نہیں دی گئی تھی۔ اور ان کی کتاب میں حلال اور حرام اور ورثہ اور نکاح وغیرہ کے احکام نہیں پائے جاتے۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی یہی مسلک تھا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔ وانزل علیہ الانجیل فیہ مواعظ وامثال ولیس فیھا قصاص ولا احکام حدود ولا فرض مواریث۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل اتاری گئی۔ جس میں مواعظ اور امثال ہی ہیں۔ قصاص اور احکام حدود اور فرض مواریث نہیں ہیں (مجمع البیان)

بشپ لیفرائے لکھتا ہے۔ یسوع مسیح ہرگز شارع نہ تھا جن معنوں میں حضرت موسیٰ صاحب شریعت تھے۔

انجیل کے دیکھنے سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو شریعت عطا نہیں ہوئی۔ یوحنا کی انجیل میں ہے شریعت موسیٰ کی معرفت دی گئی۔ (پ ۱۷)۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر عمل کرتے رہے ہیں۔ کتاب اعمال میں ہے موسیٰ کی شریعت پر عمل کرنا ضروری ہے (پ ۵)

تاریخ کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات میں سوا چند لوگوں کے دین عیسوی میں لوگ کم داخل ہوئے ہیں۔ بوجہ قلت الجماعۃ مقدمات قصاص وجنایات ودیت وغیرہ پیش نہیں آئے۔ جن کے نہ پیش آنے کی وجہ سے شریعت جدیدہ کی ضرورت پیش نہیں آئی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور جناب موسیٰ علیہ السلام کی طرح اپنی قوم کے سردار اور مالک وحدت تھری نہیں تھے۔ بلکہ رومی گورنمنٹ کے زیر اثر رومن لا کے ماتحت چلنا ان کے لئے ضروری تھا۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایسے وقت میں شریعت جدیدہ عطا ہوتی تو اس کے احکام کی تنفیذ میں روم امپائر کی طرف سے سخت مزاحمت پیش آتی۔ بات بات میں رومن لا کا لحاظ رکھنا پڑتا۔ اور نہ رکھنے میں مقابلہ کرنا پڑتا۔ جو ایسے وقت میں تکلیف مالا یطاق تھی لا یکلف اللہ۔ اس لئے خدا تعالےٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حوارین کو شریعت موسویہ کے ماتحت رکھا کیونکہ شریعت موسویہ کے مطابق ملت یہود کے مقدمات کا فیصل ہونا رومی گورنمنٹ سے پاس ہو چکا تھا۔ اور شریعت جدیدہ کا بغیر اجتماع ملی پاس کرانا مشکل تھا۔ اس لئے آپ کے فتائی متعلق حلت وحرمت بعض اشیاء محدود رہے جن میں رومی گورنمنٹ کو دخل دینے کی ضرورت نہیں تھی

الغرض یہ کہنا کہ تمام انبیاء صاحب شرائع جدیدہ ہوئے ہیں بالکل درست نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے۔ نبی کے حقیقی معنوں پر غور نہیں کیگئی۔

نبی کے معنے صرف یہ ہیں۔ کہ خدا کی طرف سے بذریعہ وحی خبر پانیوالا ہو اور شرف مکالمہ الٰہیہ سے مشرف ہو۔ شریعت کا لانا اس کے لئے ضروری نہیں۔ اور نہ یہ ضروری ہے کہ صاحب شریعت رسول کا متبع نہ ہو۔ (براہین احمدیہ حصہ پنجم)

حافظ الحدیث علامہ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں لا یمتنع ان ینبئ فی الفترۃ من یدعوا الی الشریعۃ الرسول الاخر۔ کسی نبی کے بوقت فترۃ کسی دوسرے رسول کی شریعت کی طرف دعوت کرنے پر کوئی امر مانع نہیں

اکثر اشخاص ما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ پیش کرکے کہتے ہیں کہ ہر رسول مطاع ہوتا ہے۔ مطیع نہیں ہوتا۔ اور جو مطیع ہو وہ رسول نہیں ہو سکتا۔ اس لئے امت محمدیہ میں سے نبی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا مطیع ہوگا۔

خلاصہ اعتراض یہ ہے۔ کہ ہر نبی صاحب کتاب و صاحب شریعت ہوتا ہے اور سابقہ شریعت کا مطیع نہیں ہوتا۔ اس لئے مسیح موعود بھی نبی نہیں ہو سکتے۔ لیکن یہ مسلک جیسا اقوال سلف صالحین کے مخالف ہے ویسا ہی واقعات صحیحہ کے بھی مخالف ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عقیدہ کے بھی برخلاف ہے اور سیاق آیت کے بھی برخلاف ہے۔ اس آیت کریمہ میں خدا تعالیٰ مومنوں کو خطاب کرکے فرماتا ہے۔

یاایھا الذین اٰمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیءٍ فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الاٰخر ذٰلک خیر واحسن تاویلاً۔ الم تر الی الذین یزعمون انھم اٰمنوا بما انزل الیک وما انزل من قبلک یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت وقد امروا ان یکفروا بہ ویرید الشیطان ان یضلھم ضلالاً بعیداً۔ واذا قیل لھم تعالوا الیٰ ما انزل اللہ والی الرسول رایت المنافقین یصدون عنک صدوداً فکیف

اذا اصابتھم مصیبۃ بما قدمت ایدیھم ثم جاءوک یحلفون باللہ ان اردنا الا احساناً وتوفیقاً اولٰئک الذین یعلم اللہ ما فی قلوبھم فاعرض عنھم وعظھم وقل لھم فی انفسھم قولاً بلیغاً وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ۔ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کی فرماں برداری کرو اور رسول کا کہا مانو! اور صاحبوں حکم کے کہ تم میں سے ہیں۔ پس اگر جھگڑو تم کسی چیز میں تو پھیرو اس کو اللہ اور رسول کی طرف اگر تم ایمان والے ہو۔ اللہ اور پچھلے دن کے ساتھ۔ یہ بہتر ہے اور اچھا ہے جزا میں۔ کیا تو نے نہیں دیکھا ان لوگوں کی طرف کہ دعویٰ کرتے ہیں یہ کہ وہ ایمان لائے ہیں اس چیز کے ساتھ جو تیری طرف اتاری گئی ہے اور جو تجھ سے پہلے اتاری گئی ہے۔ اور ارادہ کرتے ہیں کہ سرکشوں کی طرف حکم لیجائیں۔ اور تحقیق حکم کئے گئے ہیں کہ اس کیساتھ کفر کریں۔ اور شیطان ارادہ کرتا ہے کہ ان کو دور کی گمراہی میں گمراہ کرے۔ اور جب ان کو کہا جاتا ہے کہ اس چیز کی طرف آؤ جس کو اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے۔ اور رسول کی طرف تو منافقوں کو دیکھیگا کہ تجھ سے ہٹ رہتے ہیں پورا ہٹ رہنا۔ پس کیونکر ہوگا جب ان کو مصیبت پہونچے گی۔ بسبب اس کے کہ ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے۔ پھر تیرے پاس آکر قسمیں کھاتے ہیں۔ کہ ہم نے بھلائی اور موافقت کے سوا اور کچھ نہیں چاہا تھا۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جو کچھ بھی ان کے دل میں ہے اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ پس ان سے منہ پھیر لے۔ اور ان کو نصیحت کر اور ان کے لئے ان کے دلوں میں اثر کرنے والی بات بیان کر۔ اور ہم نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا۔ مگر اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ فرمان برداری کیا جائے

اس آیت میں اللہ تعالیٰ مومنوں کو جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم دیتا ہے۔ اور آنحضرت کی اطاعت کو مومنوں پر فرض کرتا ہے کہ رسول کی اطاعت کو چھوڑ کر منافقوں کی طرح کافر سرداروں کے پاس اپنے فیصلے نہ لیجایا کرو۔ اور ان کو اپنا حکم اور منصف مقرر نہ کیا کرو۔ متعدد بات کے

فیصلہ کرنے کے لئے ہم نے اپنا رسول تمہارے پاس بھیجا ہے۔ کوئی رسول ازخود مطاع نہیں بن بیٹھا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے اس کی اطاعت کی جاتی ہے۔

بے شبہ ہر رسول مومنوں کا مطاع ہوتا ہے۔ مطیع نہیں ہوتا۔ لیکن سیاق آیت سے کہاں ثابت ہوتا ہے کہ نبی غیر تشریعی نہیں ہوتا۔ یا کوئی نبی غیر تشریعی تشریعی نبی کا مطیع نہیں ہوتا۔

(اوّل) چونکہ اکثر غیر احمدی احباب امام رازی کے مسلک کے پیرو ہیں۔ اس لئے ان کے مسلک کے موافق جواب عرض کیا جاتا ہے۔ کیونکہ مولوی صاحب نے اپنی کتاب النبوۃ فی الاسلام میں اکثر امام رازی کے اقوال لوگوں کے سامنے پیش کئے ہیں۔ چنانچہ امام رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں۔ ان الرسول من الانبیاء من جمع الی المعجزات من الکتاب المنزل علیہ النبی غیر الرسول من لم ینزل کتاب وانما امران ان یدعوا الی کتاب من قبلہ۔

خلاصہ یہ کہ رسول صاحب کتاب و شریعت ہوتا ہے۔ اور نبی صاحب کتاب و شریعت نہیں ہوتا۔ بلکہ پہلے رسول کی کتاب اور شریعت کی طرف لوگوں کو دعوت کرتا ہے۔ امام رازی کی تقریر سے واضح ہوتا ہے کہ رسول تابع نہیں ہوتا۔ اور نبی رسول کا تابع اور مطیع ہوتا ہے۔ غایت مافی الالباب آیت میں لفظ رسول وارد ہے نہ لفظ نبی۔ جس سے امام رازی کے مسلک کے مطابق یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول رسول کا تو مطیع شریعت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ خود صاحب شریعت ہوتا ہے۔ لیکن نبی انما امران یدعوا الی کتاب قبلہ یعنی پہلی شریعت کا اوپر رسول کے احکام کا مطیع ہوتا ہے۔ اور لوگوں کو شریعت سابقہ کی طرف دعوت کرتا ہے۔ پس مولوی صاحب کا یہ اعتقاد کہ کوئی نبی کسی رسول یا نبی کا مطیع شریعت نہیں ہوتا۔ امام رازی کے مسلک کے سراسر خلاف ہے۔

اب مولوی صاحب کا یہ فرمانا کہ چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ازالہ الاوہام میں ارشاد فرماتے ہیں کہ صاحب نبوت تامہ ہرگز امتی نہیں ہو سکتا۔ اور جو شخص کامل طور سے رسول اللہ کہلاتا ہے۔ اس کا کامل طور پر دوسرے نبی کا مطیع اور امتی ہو جانا نصوص قرآنیہ اور حدیث کے رو سے بکلی ممتنع ہے۔ اللہ جلشانہ فرماتا ہے۔ وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ۔ یعنی ہر ایک رسول مطاع اور امام بنانے کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ اس غرض سے نہیں بھیجا جاتا کہ دوسرے کا مطیع ہو۔ اس لئے کوئی نبی کسی نبی کا مطیع نہیں ہو سکتا۔ اور جو کسی نبی کا مطیع ہو وہ نبی نہیں ہو سکتا۔ یہ بھی ٹھیک نہیں!۔

مولوی صاحب نے یا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عبارت کے سمجھنے میں ٹھوکر کھائی ہے یا خود سمجھنے ہی کی کوشش نہیں کی۔ حضرت مسیح موعود نے رسول کی تفسیر اپنے کلام میں صاحب نبوت تامہ سے کی ہے اور اپنے اس کلام میں تامہ کی قید لگا کر نبوت کو رسالت کا مرادف قرار دیا ہے۔ اور امام رازی کے متبعین کا جو ہندوستان میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ اپنی تحریر میں لحاظ رکھکر حضرت عیسیٰ ابن مریم مسیح ناصری کے دوبارہ آنے پر ایمان رکھنے والوں کو جواب دیا ہے۔ کہ بزعم تمہارے حضرت مسیح ناصری خود صاحب نبوت تامہ اور صاحب شریعت رسول تھے۔ وہ دوبارہ تشریف لا کر کس طرح سے جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مطیع ہو سکتے ہیں اور کیونکر امتی کہلا سکتے ہیں۔ کیونکہ ہر رسول مطاع اور امام ہونے کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ اس غرض سے نہیں بھیجا جاتا کہ کسی دوسرے کا مطیع ہو۔ بیشک ہمارا بھی یہی اعتقاد ہے کہ صاحب نبوت تامہ ہرگز ہرگز نبی کا مطیع نہیں ہو سکتا۔ مگر حضرت مسیح موعود نے تامہ کی قید لگا کر نبوت مطلقہ کو آزاد رکھا ہے۔ چنانچہ آپ براہین احمدیہ

حقیقۃ النبوۃ میں تحریر فرماتے ہیں۔ نبی کے حقیقی معنوں پر غور نہیں کی گئی۔ نبی کے معنے صرف یہ ہیں۔ کہ خدا کی طرف سے بذریعہ وحی خبر پانیوالا ہو۔ اور شرف مکالمہ اور مخاطبہ الٰہیہ سے مشرف ہو۔ شریعت کا لانا اس کے لئے ضروری نہیں۔ اور نہ یہ ضروری ہے کہ صاحب شریعت رسول کا متبع نہ ہو (انتہی کلامہ)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں کہ صاحب نبوت تامہ کسی سابقہ شریعت کا متبع نہیں ہوتا۔ اور صاحب نبوت محضہ شریعت سابقہ کا متبع ہو سکتا ہے۔ امام رازی نبوت تامہ کو بلفظ رسالت تعبیر کرتے ہیں۔ لیکن دونوں اماموں کا مذہب یہ ہے کہ نبی غیر تشریعی شریعت سابقہ کا مطیع ہو سکتا ہے۔

الغرض جناب مولوی محمد علی صاحب کا عقیدہ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مسلک کے برخلاف ہے ویسا ہی امام فخر الدینؒ کے مسلک کے بھی خلاف ہے۔

اب ہم ہدیہ ناظرین کرتے ہیں کہ مولوی صاحب کا یہ عقیدہ کہ کوئی نبی کسی نبی کا مطیع نہیں ہوتا۔ سراسر کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور مفسرین اور واقعات صحیحہ کے کسقدر برخلاف ہے۔

(۱) کیا حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحاق علیہما السلام امور شریعت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مطیع نہیں تھے۔

(۲) کیا حضرت یحیی علیہ السلام جن کی نسبت اتینٰہ الحکم صبیّا آیا ہے۔ اور برّا بوالدیہ ارشاد ہوا ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام کے مطیع امر نہیں تھے۔

(۳) کیا حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے مطیع نہ تھے۔

مولوی صاحب اور ان کے متبعین فرماتے ہیں کہ نہ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مطیع تھے۔ اور نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت

ہارون علیہ السلام کی شریعت کے تابع تھے۔ دونوں صاحب شرع تھے دونوں صاحب امر تھے۔ دونوں صاحب کتاب تھے۔ دونوں کی نسبت قرآن کریم میں آیا ہے۔ اتینٰہما الکتاب المستبین۔ نہ وہ اس کا مطیع نہ یہ اس کا تابع۔

لیکن قرآن کریم کی متعدد آیات میں ان دونوں نبیوں کا ذکر آیا ہے۔ اور ہر ایک آیت سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مطیع اور خلیفہ تھے۔

(الف) سورۂ اعراف میں ہے۔ وقال موسیٰ لاخیہ ھارون اخلفنی فی قومی واصلح ولا تتبع سبیل المفسدین۔ اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا کہ میری قوم میں میرا خلیفہ ہو۔ اور کام سنواریو اور مفسدوں کی راہ نہ جائیو۔

یہ ایک ایسا حکم ہے کہ ایک صاحب امر کہیں جاتے وقت اپنے کارندے کو بطور ضابطہ کلیہ کے وصیت کرتا ہے کہ میرے پیچھے ہوشیاری سے کام کرنا دیکھو کسی قسم کی بے ضابطگی نہ ہو۔ کام نہ بگڑنے پائے۔

اس آیت سے حضرت موسیٰ کا آمر اور حضرت ہارون کا فرماں پذیر اور مطیع ہونا ثابت ہوتا ہے۔

(ب) اسی طرح دوسری آیت میں ہے:۔ ولما رجع موسیٰ الیٰ قومہ غضبان اسفا قال بئسما خلفتمونی من بعدی اعجلتم امر ربکم والقی الالواح واخذ براس اخیہ یجرہ الیہ۔ اور جب موسیٰ اپنی قوم کی طرف واپس آئے۔ غصے میں بھرے ہوئے پچھتاتے ہوئے کہنے لگے تم نے میرے بعد میری بری نیابت کی ہے۔ اور تم نے خدا کے کام میں جلد بازی کی اور تختیاں ڈالدیں۔ اور اپنے بھائی کا سر پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگ

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت ہارون پر غصہ ہونا۔ اور توحید کی غیرت پر حضرت ہارون کی بزرگی کا مطلق لحاظ نہ کرنا۔ اور امر دین کیلئے اپنے

سختی کرنا۔ صاف اس بات کی دلیل ہے۔ کہ حضرت موسیٰ مثل ایک حکمران کے تھے۔ اور حضرت موسیٰ کے سامنے حضرت ہارونؑ مثل ایک مطیع کے نہایت منت اور عاجزی کے ساتھ اپنی برأت کا یوں اظہار کیا ہے

قال ابن امّ ان القوم استضعفونی وکادوا یقتلوننی فلا تشمت بی الاعداء ولا تجعلنی مع القوم الظالمین ٭ حضرت ہارون کہنے لگے۔ میری ماں کے بیٹے قوم نے مجکو ضعیف سمجھا اور قریب تھا کہ مجکو قتل کر دیتے۔ مجکو سزا دیکر دشمنوں کو مجھ پر خوش نہ کر۔ اور ظالموں کے ساتھ مجکو مت گردان دیکھو حضرت ہارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے غصہ کو امر بیجا نہیں سمجھتے تھے بلکہ نہایت بجا اور محض حمیت دین اور غیرت توحید کے لئے ایک امر ضروری سمجھکر کس فروتنی کے ساتھ معذرت کرتے ہیں۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کا شرک دیکھکر نہایت ضروری جوش سے فرماتے ہیں:۔

قال یاھرون ما منعک اذ رایتھم ضلوا الّا تتبعن افعصیت امری۔ اے ہارون جب تونے دیکھا تھا کہ بنی اسرائیل گمراہ ہو چلے ہیں تو تجکو میری پیروی کرنے سے کس بات نے روکا تھا۔ کیا تونے میرے حکم کی نافرمانی کی۔

اب کون شخص ہے کہ الّا تتبعن اور افعصیت امری کے الفاظ دیکھ کر جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے نکلے ہیں۔ اور پھر حضرت ہارون کی اس عاجزی۔ یابنؤم لا تاخذ بلحیتی ولا براسی۔ پر نظر کرکے اس نقطۂ خیال پر نہ پہونچ جاتا ہو۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک آمرانہ حیثیت رکھتے تھے۔ اور حضرت ہارون حضرت موسیٰ کے سامنے مطیعانہ وقعت رکھتے تھے۔ مولوی صاحب کے متبعین واقعات پر خواہ پردہ پوشی کریں یا نہ کریں یہ الفاظ ایسے نہیں ہیں کہ جنکی تاویل کی جائے۔

مولوی صاحب جنکا مقصد اصلی ایک جدید مذہب کی بنیاد رکھنا ہے گو وہ واقعات صحیحہ کے برخلاف کیوں نہ ہو۔ النبوۃ فی الاسلام میں رقم طراز ہیں۔ توریت جیسی کچھ ہے۔ اس کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بعض کام حضرت ہارون کے سپرد تھے۔ اور بعض حضرت موسیٰ کے۔ یہی وجہ ہے کہ کہانت کا عہدہ حضرت ہارون کی اولاد میں رہا۔

معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب نے جیساکہ کتب تفاسیر کو بروقت تحریر کتاب نہیں دیکھا اسی طرح توراۃ کو بھی ملاحظہ نہیں فرمایا۔ محض اپنی یادداشت پر حوالجات نقل کئے ہیں۔

لہذا توراۃ کے چند حوالے نقل کئے جاتے ہیں۔ جن سے مولوی صاحب کی تحریر پر روشنی پڑسکتی ہے۔ اور حضرت موسیٰ کے اور حضرت ہارون کے عہدوں کا امتیاز نمایاں ہوجاتا ہے۔

(ا) کتاب خروج) ب ۱-۲- میں ہے :۔ پھر خداوند نے حضرت موسیٰ سے کہا۔ دیکھ میں نے تجھے فرعون کے لئے خدا سا بنایا ہے۔ اور تیرا بھائی تیرا پیغمبر ہوگا۔ سب کچھ جو میں تجھے حکم کروں سو تو نے کہنا۔ سو تیرا بھائی فرعون سے کہیگا۔

لیجئے حضرت ہارون کا رتبہ جو کچھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے تھا توریت نے اس کا پردہ کھولدیا۔ مولوی صاحب نے توریت کے تذکرہ کرنیکی بے وجہ تکلیف برداشت کی ہے۔ کیونکہ وہ تو صاف لفظوں میں مولوی صاحب کے مجوزہ عقیدہ کو رد کرتی ہے۔ اور حضرت ہارون کا مطیع موسیٰ ہونا ثابت کرتی ہے۔

(۲) اب حضرت ہارون کی کہانت کا حال سنو!۔

(**الف**) خدا تعالیٰ حضرت موسیٰ سے فرماتا ہے۔ تو بنی اسرائیل سے ہارون کو جو تیرا بھائی ہے اپنے پاس بلا اور اس کے بیٹے اس کے ساتھ ہو دیں تاکہ میرے لئے کاہن ہوں۔ خروج ب ۲۸۔

(**ب**) اور تو ہارون اور اس کے بیٹوں کو پگڑیاں پہنا۔ تاکہ کاہن ہونا ان کا

ہمیشہ کے لئے حق ہو۔ خروج۔ ۲۹ب۔

(ج) اور خداوند نے موسیٰ سے کہا۔ ہارون کو مقدس کر اور مقدس لباس پہنا۔ اور اس کو چپڑ تاکہ کاہن کا کام میرے لئے کرے۔ موسیٰ نے ایسا ہی کیا خروج۔ ۴۰ب۔

(د) موسیٰ نے ہارون کو کہا کہ مذبح کے نزدیک جا اور اپنی خطاکاری کی قربانی اور سوختنی قربانی گذران۔ تب ہارون مذبح پر گیا۔ ۹ب احبار۔

امید ہے کہ ناظرین پر منکشف ہو گیا ہو گا۔ کہ توریت حضرت موسیٰ کے آمر اور حضرت ہارون کے مطیع ہونے پر بآواز بلند شہادت ادا کرتی ہے یا نہیں؛ اور مولوی صاحب کی تحریر کے ساتھ کہاں تک اتفاق رکھتی ہے۔ کہانت کا عہدہ کس نے مقرر کیا تھا۔ اور کس نے اس کے قواعد بنائے تھے۔ اور کس کے ہاتھ سے یہ عہدہ قائم ہوا تھا۔

اب رہی یہ آیت واتینھما الکتٰب المستبین۔ اس آیت کے ضمیر تثنیہ میں ہارون حضرت موسیٰ کی تبعیت کی وجہ سے داخل ہیں۔ اور اس کے نظائر قرآن کریم میں بکثرت موجود ہیں۔

(۱) الذین اٰتیناھم الکتٰب یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم۔ دیکھو کتاب تو حضرت موسیٰ کو ملی تھی۔ اور ھم کی ضمیر جمع میں بنی اسرائیل موسیٰ کی تبعیت کی وجہ سے داخل ہیں۔

(۲) الذین اٰتیناھم الکتٰب من قبلہ۔ بشرح صدر

(۳) الذین اٰتیناھم الکتاب یتلونہ۔ بشرح صدر۔

اگر غرض مذکورہ کو تسلیم نہیں کیا جاتا۔ تو پھر فرمائیں کتاب تو ایک تھی۔ کیا جو الہام ایک صاحب کو ہوا تھا وہی بعینہ دوسرے صاحب کو ہوا تھا۔ یا حضرت ہارون کو الگ ہوا تھا۔ اور ایک کتاب میں درج کئے جاتے تھے۔ یا دو کتابیں جدا جدا تھیں۔

پھر کتاب موسیٰ امام تھی یا کتاب ہارون۔ یا کتاب کا ایک حصہ حضرت موسیٰ پر نازل ہوا تھا۔ اور دوسرا حضرت ہارون پر۔ پھر ان دونوں حصوں میں امتیازی نشان کیا تھا؟ پھر حضرت موسیٰ کی شریعت تو بنی اسرائیل کے لئے تھی۔ اور حضرت ہارون کی شریعت کس قوم کے لئے تھی۔ اور اگر کہو کہ عام شریعت کے قانون حضرت موسیٰ بحکم الٰہی لکھتے تھے۔ مگر کہانت کے عہدہ کے متعلق حضرت ہارون نے ضوابط بالہام الٰہی مقرر کئے تھے۔ سو یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ کتاب احبار سے ثابت ہوتا ہے کہ کاہن کی خدمات کے تمام دستور العمل حضرت موسیٰ نے بنائے تھے۔ جس پر کہ حضرت ہارون اور ان کے بیٹے عمل کیا کرتے تھے۔ اگر یہ فرمائیں کہ توریت محرف ہے۔ مبدل ہے اس کا کیا اعتبار ہے تو پھر خود مولوی صاحب نے توریت کا کیوں حوالہ تحریر فرمایا ہے۔ دوم اگر توریت محرف ہے اور مبدل ہے۔ تو مولوی صاحب کسی ایسی تاریخ اسلامی یا غیر اسلامی وغیرہ کا حوالہ دیں۔ جس میں یہ درج ہو کہ حضرت ہارون حضرت موسیٰ کے مطیع نہیں تھے۔ بلکہ جداگانہ شریعت اپنے ساتھ رکھتے تھے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت مستمرہ تھی کہ جہاں کہیں آپ دو شخصوں کو بطور سفارت بھیجتے تو ان میں سے ایک کو امام بناتے اور دوسرے کو اس کی اتباع کا حکم دیتے۔ قرآن کریم سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ نے حضرت موسیٰ کو امام بنایا تھا۔ اور انہیں کی دعا سے حضرت ہارون کو ان کا وزیر مقرر کیا تھا۔

(۱) سورۃ طٰہٰ میں ہے۔ قال رب اشرح لی صدری ویسر لی امری واحلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی واجعل لی وزیرا من اھلی ھٰرون اخی اشدد بہٖ ازری واشرکہ فی امری کی نسبحک کثیرا ونذکرک کثیرا انک کنت بنا بصیرا قال قد اوتیت

سؤلك یاموسیٰ ولقد مننا علیك مرۃ اخریٰ. حضرت موسیٰ نے عرض کی اے میرے پروردگار میرا سینہ کھول دے۔ اور میرا کام آسان کردے میری زبان کی گرہ کھول دے۔ تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں۔ میرے گھر والوں میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا۔ میری قوت کو اس کے ذریعہ سے مضبوط کر اور اس کو میرے کام میں میرا شریک بنا۔ تاکہ ہم بہت بہت تیری پاکی بیان کریں اور بہت بہت تیرا ذکر کرتے رہیں۔ بیشک تو ہم کو دیکھنے والا ہے۔ خدا نے فرمایا اے موسیٰ تیرا مانگا تجکو مل گیا۔ ہم نے دوبارہ تجھ پر احسان کیا ہے۔

(۲) وجعلنا معہ اخاہ ھٰرون وزیراہ - اور ہم نے اس کے ساتھ اس کے بھائی ہارون کو بوجھ بانٹنے والا بنایا۔

(۳) واخی ھٰرون ھو افصح منی لسانا فارسلہ معی ردأ۔ حضرت موسیٰ نے جناب آلہی میں عرض کی۔ میرا بھائی ہارون مجھسے زیادہ فصیح اللسان ہے۔ اسکو میرے ساتھ میرا مددگار بناکر بھیج۔

الغرض قرآن کریم میں جہاں خدا تعالیٰ نے اپنے انعامات کا ذکر کیا ہے۔ وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو باوجود اس کے کہ وہ حضرت ہارون سے چھوٹے تھے۔ حضرت ہارون کے نام پر مقدم رکھا ہے۔ جیساکہ آیات ذیل سے ظاہر ہے:۔

(۱) ثم بعثنا من بعدھم موسیٰ وھٰرون الیٰ فرعون (سورۃ یونس)

(۲) ثم ارسلنا موسیٰ واخاہ ھٰرون بایٰتنا وسلطان مبین (المومنون)

(۳) ولقد مننا علیٰ موسیٰ وھٰرون (والصفٰت)

(۴) سلٰم علیٰ موسیٰ وھٰرون (والصفٰت)

البتہ ایک جگہ حکایۃ عن لسان سحرۃ فرعون یعنی آیت قالوا اٰمنا

برب ھٰرون وموسیٰ میں حضرت ہارون کا نام حضرت موسیٰ سے پہلے آیا ہے وہ لوگ حضرت ہارون کو حضرت موسیٰ سے عمر میں بڑا جانتے تھے۔ جسکا ثبوت توریت سے ملتا ہے۔ کہ حضرت ہارون نے حضرت موسیٰ سے پہلے وفات پائی۔ اور انکی عمر ایک سو تئیس ۱۲۳ برس کی تھی۔ اور بروقت وفات حضرت موسیٰ کی عمر ایک سو بیس ۱۲۰ برس کی تھی۔ بباعث بزرگی سن وسال سحرِ فرعون نے حضرت ہارون کا نام حضرت موسیٰ سے پہلے لیا ہے۔ ورنہ خدا تعالیٰ نے جہاں بھی ان دونوں کا ذکر کیا ہے۔ حضرت موسیٰ ہی کو مقدم رکھا ہے۔ یہ تقدم ذکر صاف اسبات کی دلیل ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے امر تبلیغ میں امام اور حضرت ہارون کو ان کا متبع بنایا تھا۔

پس بحکم فابدؤا بما بدء اللّٰہ بہ - جس کو خدا نے مقدم بنایا ہے۔ ہم کو چاہیے کہ اسی کو مقدم جانیں۔ اور جس کو مؤخر بیان فرمایا ہے اس کو مطیع اور تابع خیال کریں۔ ما منعك اذ رأیتھم ضلوا الا تتبعن کی آیت کو مدنظر رکھکر حضرت ہارون کو تابع اور حضرت موسیٰ کو متبوع اعتقاد کریں۔ یہ اتباع بباعث تقدم زمانی نہیں ہے۔ بلکہ باعتبار تقدم بالشرف ہے۔ ورنہ باعتبار ولادت اور وفات کے حضرت ہارون کو تقدم بالزمان حاصل ہے۔

البتہ اگر حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون ایک وقت میں نہ ہوتے تو اس بات کی گنجائش تھی کہ کوئی کہہ سکتا کہ حضرت ہارون حضرت موسیٰ کے متبع نہیں تھے۔

بے شک دونوں امام تھے دونوں خدا کے نبی تھے۔ دونوں واجب الاتباع تھے۔ مگر حضرت موسیٰ تشریعی نبی تھے اور حضرت ہارون غیر تشریعی نبی تھے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم کے درمیان ہوتے تو حضرت موسیٰ ہی امام ہوتے۔ اور جب حضرت موسیٰ کہیں تشریف لیجاتے تو حضرت ہارون ان کی غیبت میں کارِ نبوت بجالاتے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام صاحب شریعت رسول تھے۔ حضرت ہارون پر کیا موقوف

ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے انبیاء بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ کے بعد مبعوث ہوئے ہیں۔ سب کے سب توریت پر عمل کرتے رہے ہیں۔ قرآن کریم کی شہادت مسیح ابن مریم کی شہادت انجیل کی شہادت کتب انبیاء کی شہادت تواریخ یہود ونصاریٰ کی شہادت تمام مفسرین کی شہادت۔ حضرت مسیح موعود کی شہادت علمائے سنی وشیعہ کی شہادت سے یہ امر ثابت ہے۔ البتہ مولوی محمد علی صاحب ایم اے ان شہادتوں پر کان نہیں دھرتے۔ اور نیا مسلک دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ کہ کوئی نبی حضرت موسیٰ کی شریعت کا تابع نہیں ہوا بلکہ ہر نبی خود صاحب شریعت تھا۔ لہٰذا ہم چند مفسرین کی شہادت اور اسکے بعد توریت کی شہادت پیش کرتے ہیں۔

خداتعالیٰ سورہ مائدہ میں فرماتا ہے۔ انا انزلنا التوریۃ فیھا ھدی و نور یحکم بھا النبیون الذین اسلموا للذین ھادوا والربانیون بتحقیق ہم نے توریت نازل کی اس میں ہدایت اور نور ہے۔ وہ پیغمبر جو خدا کے مطیع تھے۔ اس کے ساتھ حکم کرتے تھے۔ ان لوگوں کیلئے جو یہودی ہوئے اور حکم کرتے تھے خدا کے لوگ اور عالم۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد جتنے نبی مبعوث ہوئے ہیں وہ مثل دیگر علمائے یہود توریت کے مطابق لوگوں کے مقدمات فیصل کرتے رہتے تھے۔ ان کی کوئی جداگانہ شریعت نہیں تھی۔

(۱) معالم التنزیل میں امام بغوی لکھتے ہیں۔ اراد بھم النبیین الذین بعثوا من بعد موسیٰ لیحکموا بما فی التوریۃ وقد اسلموا لحکم التوریۃ وحکموا بھا۔

یعنی اس آیت کریمہ میں خداتعالیٰ نے ان انبیاء سے مراد لی ہے۔ جو حضرت موسیٰ کے بعد ہوئے ہیں وہ توریت کے احکام کی فرماں برداری کرتے تھے اور اس کے مطابق حکم لگایا کرتے تھے۔

(۲) تفسیر درمنثور میں سیوطی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں۔ عن مقاتل فی قولہ تعالیٰ انا انزلنا التوراۃ فیھا ھدی ونور یعنی ھدی من الضلالۃ ونور من العمی یحکم بھا النبیون یحکمون بما فی التوریۃ من لدن موسیٰ الی عیسیٰ علیہما السلام مقاتل سے ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ روایت کرتے ہیں کہ انا انزلنا التوریۃ فیھا ھدی ونور میں ہدایت تو گمراہی سے بچنے کے لئے ہے اور اندھاپن سے بچنے کے لئے نور ہے۔ توریت کے ساتھ وہ انبیاء حکم لگاتے رہے ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک ہوئے ہیں۔

(۳) تفسیر مدارک میں ہے۔ یحکم بھا النبیون ای انقادوا لحکم اللہ فی التوراۃ۔ یعنی انبیاء اس حکم الٰہی کے جو توریت میں ہے فرماں بردار اور مطیع اور منقاد تھے۔

(۴) تفسیر کبیر میں ہے۔ یحکم بھا النبیون یرید النبیین الذین کانوا بعد موسیٰ وذلک ان اللہ تعالیٰ بعث فی بنی اسرائیل الوفا من الانبیاء لیس معھم الکتب وانما بعثھم باقامۃ التوریۃ حتی یحدوا حدودھا ویقوموا بفرائضھا ویحلوا حلالھا ویحرموا حرامھا فان قیل کل نبی لابد ان یکون مسلماً فما الفائدۃ فی قولہ تعالیٰ النبیون الذین اسلموا۔ ای انقادوا لحکم التوریۃ فان من الانبیاء من لم یکن شریعتہ شریعۃ التوریۃ والذین کانوا منقادین لحکم التوریۃ ھم الذین کانوا من مبعث موسیٰ الی مبعث عیسیٰ۔

یحکم بھا النبیون میں خداتعالیٰ نے ان انبیاء سے مراد لی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد مبعوث بالنبوۃ ہوئے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں ہزارہا نبی ایسے مبعوث فرمائے تھے کہ جنکے پاس کتاب نہیں تھی۔ ان کو محض اقامۃ التورات کے لئے مبعوث فرمایا تھا۔ وہ

توراۃ ہی کی حدود کو جاری کرتے تھے اور اسکے فرائض کو قایم رکھتے اور اسی کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام جانتے۔ اگر یہ کہا جاوے کہ جبکہ ہر نبی مسلم ہوتا ہے تو النبیون الذین اسلموا کے فرمانے میں کیا فائدہ ہے اِس کا جواب یہ ہے کہ اسلموا سے یہ مراد ہے کہ وہ توراۃ کے حکم کے فرمانبردار تھے کیونکہ بعض انبیاء ایسے بھی تھے کہ جنکی شریعت شریعت توراۃ ہی تھی۔ اور وہ توراۃ کے حکم کے ماننے والے تھے۔ اور وہ انبیاء وہ تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت تک منجانب اللہ مبعوث ہوئے تھے۔

(۶) تفسیر ابی السعود۔ انا انزلنا التورٰیۃ کلام مستانف سیق لبیان علوشان التورٰۃ ووجوب مراعاۃ احکامھا وانھا لم یتزل مرعیۃ بین الانبیاء ویقتدی بھم کابراً عن کابرٍ مقبولۃ لکل احد من الحکام والمتحاکمین (یحکم بھا النبیون) ای انبیاء بنی اسرائیل و قیل موسیٰ ومن بعدہ الانبیاء ای یحکمون باحکامھا ویحملون الناس علیھاہ۔ انا انزلنا التورٰیۃ کا جملہ مستانفہ ہے جو توراۃ کے علوشان کے لئے اور اس کے احکام مرعی رکھنے کے واسطے بیان ہوا ہے۔ اور توراۃ ہمیشہ انبیاء کے درمیان مرعی رہی ہے۔ اور لوگ نسلاً بعد نسل اس کی اقتدا کرتے رہے ہیں۔ حکام اور متخاصمین میں سے ہر ایک کے نزدیک مقبول رہی ہے۔ اور (یحکم بھا النبیون) سے مراد انبیاء بنی اسرائیل ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کے انبیاء مراد ہیں۔ اور وہ توراۃ کے احکام کے ساتھ حکم لگایا کرتے تھے اور لوگوں کو اس پر عمل کرنیکے لئے برانگیختہ کرتے تھے۔

(۷) تفسیر ابن عباس میں ہے۔ انا انزلنا التورٰیۃ علیٰ موسیٰ فیھا ھدًی من الضلالۃ ونور بیان الرجم یحکم بالتورٰیۃ النبیون الذین اسلموا من لدن موسیٰ الیٰ عیسیٰ وبینھما الف نبی من الذین اسلموا للذین ھادوا۔ ہم نے توراۃ کو موسیٰ پر نازل کیا جس میں گمراہی سے ہدایت اور رجم کے بیان کا نور ہے۔ توراۃ کے ساتھ وہ انبیاء جو اسلام لائے تھے۔ حضرت موسیٰ سے لیکر حضرت عیسیٰ تک اور ان دونوں کے درمیان ایک ہزار نبی گذرے ہیں۔ ان لوگوں کے لئے جو یہودی ہوئے تھے۔ توراۃ کے مطابق حکم لگایا کرتے تھے۔

(۸) تفسیر حسینی میں ہے۔ انا انزلنا التورٰیۃ۔ بدرستیکہ ما فرو فرستادیم توراۃ را فیھا ھدی۔ در وراہ نمود نی است بحق۔ ونور وروشنی کہ ظلمات جہالت را دفع کند یحکم بھا النبیون حکم کردند بتوراۃ پیغمبران بنی اسرائیل الذین اسلموا۔ آنانکہ انقیاد کردند حکم خدا تعالیٰ را۔ للذین ھادوا۔ برائے آنانکہ متدین بودند بدین یہود۔ والربانیون وحکم کردند علمائے ربانی۔ والاحبار۔ وزاہدان ایشان۔

اہل تشیع کی تفسیر مجمع البیان الطبرسی میں ہے۔ یرید بالنبیین الانبیاء الذین کانوا بعد موسیٰ وذلک اذ کان فی بنی اسرائیل الوف من الانبیاء بعثھم اللہ لاقامۃ التورٰیۃ یحدون حدودھا ویحلون حلالھا و یحرمون حرامھا عن ابن عباس فمعنا یقضی بھا النبیون الذین اسلموا من وقت موسیٰ الیٰ وقت عیسیٰ۔

اب مزید ثبوت کے لئے بیبل کی شہادتیں بھی سن لو۔

(۱) یوشع کی کتاب میں ہے۔ کما امر الرب موسیٰ عبدہ ھکذا امر موسیٰ یشوع وھکذا فعل یشوع۔ جیساکہ خداوند نے اپنے بندے موسیٰ سے کہا۔ ویسا ہی موسیٰ نے یشوع سے کہا۔ اور یشوع نے بھی ویسا ہی کیا۔ با ۱۵۔

(۲) حضرت یوشع بنی اسرائیل سے فرماتے ہیں:۔ انما احرصوا جدًا

ان تعلموا الوصیۃ والشریعۃ التی امرکم بہا موسیٰ۔ کوشش سے
ہوشیاری کے ساتھ اس فرمان اور شرع پر جس کی بابت موسیٰ نے تم کو حکم
دیا تھا عمل کرو۔ ب ۱۶۔

(۳) حضرت داؤد اپنے فرزند ارجمند سلیمان علیہ السلام کو وصیت فرماتے
ہیں :-

دعا سلیمان ابنہ واوصاہ حینئذٍ تفلح اذ تحفظت العمل و
الفرائض والاحکام التی امر بہا الرب موسیٰ لاجل اسرائیل۔
داؤد نے اپنے بیٹے سلیمان کو بلا کر وصیت کی۔ تب تو اقبال مند ہوگا
جبکہ تو ان سنتوں اور شریعتوں پر جو خدا نے موسےٰ کو اسرائیل کے لئے
فرمائیں۔ عمل کرنے میں چالاک ہوگا۔ تواریخ۔ ب ۲۲۔

حضرت داؤد نے باوجود صاحب کتاب نبی ہونے کے حضرت سلیمانؑ کو
یہ وصیت نہیں کی کہ میری شریعت پر عمل کرنا۔ کیوں کہ زبور میں شریعت
کے احکام نہیں ہیں۔ زبور تو ایک درد آمیز دعاؤں کا مجموعہ ہے۔

(۴) عہد عتیق کے آخری نبی ملاکی کی معرفت خدا فرماتا ہے اذکروا شریعۃ
موسیٰ عبدک التی امرتہ بہا فی حوریب علی کل بنی اسرائیل
مع الفرائض والاحکام۔ تم میرے بندے موسیٰ کی شریعت کو یاد رکھو۔
جسے میں نے سارے بنی اسرائیل کے لئے حورب میں اپنے قوانین اور احکام
سمیت فرمایا۔

خدا نے یہ نہیں فرمایا کہ ملاکی یا کسی دوسرے نبی کی شریعت کو یاد رکھو
جس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ حضرت موسیٰ کے بعد تمام انبیاء بنی اسرائیل حضرت
موسیٰ کی شریعت پر عمل کرتے رہے ہیں۔ ان کی کوئی جدا گانہ شریعت نہیں تھی
اب انجیل کی شہادت کو بھی سن لو۔

(۱) یوحنا کی انجیل میں ہے۔ شریعت موسیٰ کی معرفت دی گئی۔ مگر فضل اور
سچائی یسوع مسیح کی معرفت پہونچی۔ ب ۱۷۔

(۲) حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں۔ کیا موسیٰ نے تمہیں شریعت نہیں دی۔ تو بھی
تم میں سے کوئی شریعت پر عمل نہیں کرتا۔ انجیل یوحنا۔ ب ۹۔

حضرت عیسیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم کو نبیوں کی معرفت شریعت ملی ہے۔ آپ
نے شریعت کو حضرت موسیٰ ہی کی طرف منسوب فرمایا ہے۔ کیونکہ دوسرے انبیاءؑ
شریعت نہیں لائے۔

(۳) موسیٰ کی شریعت پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اعمال۔ ب ۱۵۔ ۵۔
یہ حضرت عیسیٰ کے حواریوں کا مقولہ ہے۔ یہ نہیں کہا کہ نبیوں کی شریعت
پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اگر حضرت موسیٰ کے بعد کوئی نبی تشریعی ہوتا تو ضرور
حواری اس کی شریعت کا تذکرہ کرتے۔

(۴) اعمال باب ۱۵۔ ۲۰۔ میں ہے۔ کیونکہ قدیم زمانہ سے ہر شہر میں موسیٰ
کی توریت کی منادی کرنے والے چلے آئے ہیں۔ اور ہر سبت کو عبادت خانوں
میں سنائی جاتی ہے۔

انا انزلنا التورٰىۃ فیہا ھدًی ونور یحکم بہا النبیون کی کیا ہی پوری
تصدیق ہوتی ہے کہ انبیاء بنی اسرائیل حضرت موسیٰ کے بعد توریت پر عمل کرتے
رہے ہیں۔ اور حضرت موسیٰ کی شریعت کے تابع تھے۔ اور ان میں کوئی صاحب
شریعت نہیں تھا۔

پس ثابت ہو گیا غیر تشریعی نبی تشریعی نبی کی کتاب اور اسکے احکام کا متبع ہوتا ہے
اور سابق نبی یا سابقہ شریعت کے اتباع کرنے سے اس کی نبوت میں کچھ فرق نہیں آتا
حضرت مسیح موعود حضرت سید المرسلین خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی
مہر کے نیچے۔ اور احکام قرآن کے تابع غیر تشریعی نبی ہیں۔ علیہ الف الف التحیۃ
والثناء۔ تمت المدعا بعون اللہ و توفیق۔

الراجی الی رحمۃ اللہ المتعال | اصغر عباد اللہ عبد اللہ ابن مظہر جمال